Registered No. L. 5340

جلد ۳۲
عدد ۱-۲

شائع شدہ ماہِ اگست

رجب | شعبان | ۱۳۶۸ھ

ماہنامہ

ترجمان القرآن

علوم قرآنی و حقائق فرقانی کا ذخیرہ

مرتبہ

نعیم صدیقی

جاری کردہ :

سید ابوالاعلیٰ مودودی

دفتر رسالہ "ترجمان القرآن"

۵- اے ذیلدار پارک، اچھرہ- لاہور

قیمت سالانہ پانچ روپے

قیمت فی پرچہ ایک روپیہ

مطبوعات مکتبہ جماعت اسلامی

الجہاد فی الاسلام	(زیر طبع)	ہیگل مارکس اور نظام اسلام	(زیر طبع)
رسالہ دینیات	۱/۸/-	رسالہ دینیات (انگریزی) نیاایڈیشن	۳/۸/-
حقوق الزوجین	۱/۸/-	اسلام کیا ہے (انگریزی) نیاایڈیشن	۱/۸/-
مسئلہ قومیت	۱/۸/-	الحاد کے بعد کیا (")	-/۱۲/-
مسئلہ جبر و قدر	۱/۰/-	سلامتی کا راستہ	۰/۶/-
تجدید و احیائے دین	۱/۰/-	اسلام کا نظریہ سیاسی	-/۸/-
اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر	-/۰/۱	اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟	-/۸/-
قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں	۱/۴/-	انسان کا معاشی مسئلہ	-/۸/-
سیاسی کشمکش حصہ اول	۱/۴/-	اسلام کا اخلاقی نقطہ نظر	-/۶/-
سیاسی کشمکش حصہ دوم	۲/۸/-	نیا نظام تعلیم	-/۶/-
سیاسی کشمکش حصہ سوم	۲/۰/-	ہندوستان میں تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل	-/۸/-
اسلام کا نظام حیات	-/۱۰/-	دین حق	-/۶/-
پردہ	۲/۸/-	اسلام اور جاہلیت	-/۶/-
تنقیحات	۲/۸/-	ایک اہم استفتا	-/۳/-
خطبات نیا ایڈیشن	(زیر طبع)	دستور جماعت اسلامی	۰/۳/-
تفہیمات	۳/۸/-	روداد جماعت اسلامی حصہ	۱/۰/-
حقیقت توحید	۱/۲/-	روداد جماعت اسلامی حصہ دوم	۰/۱۳/-
اسلام اور ضبط ولادت	۱/۰/-	روداد جماعت اسلامی حصہ سوم	(زیر طبع)
مسئلہ سود (زیر طبع)	۳/۸/-	روداد اجتماع خواتین	(زیر طبع)

ملنے کا پتہ

مکتبہ جماعتِ اسلامی

ذیلدار پارک اچھرہ - لاہور (پاکستان)

ترجمان القرآن

فہرست مضامین

عدد ١	جون ۱۹۴۹ء	مطابق	رجب ۱۳۶۸ھ	جلد ۳۲

عدد ۲	جولائی ۱۹۴۹ء	مطابق	شعبان ۱۳۶۸ھ	جلد ۳۲

سید ابوالخیر مودودی پرنٹر پبلشر نے استقلال پریس لاہور (۱) میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ترجمان القرآن ایک طویل جبری التوا کے بعد از سر نو جاری ہو رہا ہے۔ اس التوا کی ساری ذمہ داری حکومت مغربی پنجاب کے محکمہ پریس برانچ کے کارکنوں پر عائد ہوتی ہے جن کی فرض شناسی اور باضابطگی کا معیار اس حد تک گر چکا ہے کہ ترجمان القرآن کے ڈیکلریشن پر پرنٹر پبلشر کا نام بدلنے کی درخواست گئی تو ایک دفتر سے دوسرے دفتر میں دو چار دن اور دو چار ہفتے نہیں، پورے پانچ ماہ گھمایا جاتا رہا ہے اور اسے بظاہر دانستہ جا بجا انبار کاغذات میں دفن رکھا گیا ہے۔ بہر حال یہ درخواست "منازل ہفت خواں" طے کر کے جب لوٹی تو ایک ہزار روپیہ نقد ضمانت کا مطالبہ ساتھ لے کے آئی۔ اب یہ رقم داخل خزانہ کرنے کے بعد ہم اس قابل ہوئے ہیں کہ خدا کے دین کی خدمت کے اس سلسلے کو از سر نو جاری کر سکیں جو ۱۹۳۲ء سے ہزارہا افراد کی صحیح ذہنی و اخلاقی تربیت کے لئے قائم چلا آرہا تھا۔

یہ پہلا موقع ہے کہ ترجمان القرآن مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی کی ادارت ہی سے نہیں، بلکہ ان کی مشورت و رہنمائی سے بھی پوری طرح محروم ہو کر نکل رہا ہے۔ یہ خلا ترجمان القرآن کے دفتر و ادارے کے لئے بھی اور اس کے پانچ ہزار خریداروں اور بیس پچیس ہزار ناظرین کو بھی بہ شدت محسوس ہوگا۔ پھر معاملہ صرف ترجمان القرآن ہی کا نہیں، بلکہ تحریک اسلامی کی سرگرمیوں کے ہر پہلو میں مولانا کی نظر بندی کی وجہ سے ایک مستقل کمی ہے جو بہر حال ایک آزمائش کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ملک کے اسلام پسند عناصر کے لئے یہ آزمائش کب تک مقدر ہے

مولانا اور ان کے رفقا کی ناجائز نظر بندی کے خلاف، اسلامی اخلاق کی پابندی کے ساتھ جماعت اسلامی ہی نہیں، ملک کی دوسری بہت سی جماعتیں گوشے گوشے سے صدائے احتجاج بلند کر رہی ہیں۔ لیکن جہاں معاملہ قانون و عدالت سے ہو ہی نہیں بلکہ پبلک سیفٹی ایکٹ کی اندھیر گردی سے ہو ——— جو بنایا ہی اسلیے

گیا تھا کہ جہاں اقتدار قانونی کارروائی کرنے کا راستہ نہ پا سکے، وہاں وہ اس ایکٹ کے ذریعے جرم ثابت کیئے بغیر اپنے حریفوں پر غیر قانونی جبر کر سکے ——— وہاں حکومت اتنی عالی ظرف اور جمہوریت نواز ہو گی کہاں کہ وہ رائے عام کی ایک سنجیدہ صدائے احتجاج کو سُن کر اپنے غلط اقدام پر شرمسار ہو اور اپنی ظالمانہ روش کی تلافی کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ یہاں چنگیزیت اتنی عُریاں ہے کہ اس کے خلاف صبر سے بہتر کوئی طریقِ احتجاج نہیں ہے۔ اور ہمارا ایمان یہ ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ!

اپنی جگہ یہ حقیقت بہت واضح ہے کہ نظر بندانِ راہِ حق کی نظر بندی خود ایک خاموش مگر انتہائی مؤثر صدائے احتجاج بن چکی ہے۔ ایک طرف یہ نظر بندی پاکستان کے عام اسلام پسند عناصر کو نظامِ اسلامی کے نصب العین پر متحد کر رہی ہے۔ دوسری طرف اس نظر بندی کے ذریعے قرار دادِ مقاصد کے مصنفین کی نیتوں اور عزائم کا پول خوب اچھی طرح کھُل رہا ہے۔ پھر یہ نظر بندی سیفٹی ایکٹ کے اندھے راج کی ناپاک فطرت کو نمایاں کر رہی ہے جو تعزیریں عاید کرتا ہے مگر کوئی فردِ جرم نہیں لگاتا اور تشدد کرتا ہے لیکن کھلی عدالت میں اپنے مظلومین کا سامنا نہیں کر سکتا۔

بہر حال یہ نظر بندی پاکستان کے حکمرانوں کے لئے بھی اور اسیرانِ راہِ حق کے لئے بھی اور اسلامی نظام کے جملہ آرزومندوں کے لئے بھی ایک امتحان ہے جس میں یہ واضح ہو جائے گا کہ کون کیا ہے اور خدا اور اس کے دین سے کس کا معاملہ کیسا ہے؟

اسلام نے دنیا پر ایک یہی احسان نہیں کیا کہ زندگی کی تعمیر و تنظیم کے لئے بہترین اصول فراہم کر دیئے اور سیاست و تمدن اور معیشت و معاشرت کا بہترین نظام مہیا کر دیا، بلکہ اس سے کچھ زیادہ دُنیا پر احسان اس کا یہ تھا کہ اس نے اپنے غلبہ کے ہر دور میں انسانیت کو صالح اور پاکیزہ قیادت بہم پہنچائی ہے۔ اس نے سفرِ حیات کے لئے اقوامِ عالم کو بار بار مضبوط اور تیز رفتار گاڑی ہی بنا کر نہیں دی ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس نے فرض شناس اور خدمت پذیر اور ایثار کیش اور محنتی اور جاں گداز سنت اور ذہین ڈرائیور بھی تربیت کر کے دیئے ہیں۔ دنیا کی امامت و پیشوائی کے لئے ہمیشہ قوموں کے انمول قیمتی جوہر اور مکھن کو کھینچ کر اوپر لاتا رہا ہے، جس کی فطرت بجائے خود بھی صالح

تھی اور جو اپنی صلاحیتوں کو صالحیت کے سانچے میں ڈھالنے والی تربیت کا پورا پورا اثر قبول کرنے والا تھا۔
صالح نظام اور صالح قیادت لازم و ملزوم کا تعلق رکھتی ہیں اور اسلام جب بھی نمودار ہوا ہے، دونوں نمونوں کو بیک وقت سامنے لے کے نمودار ہوا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ دعوت تو برا ہیمی ہو اور اس کی علمبرداری نمرود اور آل نمرود کر رہے ہوں، یا تحریک تو کلیمی ہو لیکن اس کے فروغ کے لئے قدرت نے فرعون، قارون اور ہامان کو منتخب کیا ہو، یا نظام تو قرآن کا ہو اور اسے چلانے کی ذمہ داری ابوجہل اور ابولہب کے کندھوں پر ڈالی گئی ہو۔ توحید کا علم کبھی مشرکین سے نہیں اٹھوایا گیا۔ اخلاق کا سبق دینے پر اوباشوں کو کبھی مامور نہیں کیا گیا۔ عصمتوں کی نگہبانی کا فریضہ کبھی بے آبرو لوگوں کے سپرد نہیں کیا گیا۔ اقامتِ صلوٰۃ کی ذمہ داری کبھی شراب خانے کے ساقی و پیر مغاں پر نہیں ڈالی گئی اور ایتائے زکوٰۃ کا ضامن کبھی سود خوروں کو نہیں قرار دیا گیا۔ اسلام کی دعوت اپنے مزاج کے مطابق داعی بھی خود تیار کرتی ہے۔ اسلام کی تحریک اپنی فطرت کے لحاظ سے مخصوص قسم کے سپاہی خود بناتی ہے اور اسلام کا نظام اپنے قیام و نفاذ کے لئے ایک صالح قیادت بھی اپنے اہتمام سے خود مہیا کرتا ہے۔ انسانی فلاح کے لئے ایک اچھے نظام کے ساتھ ایک اچھی قیادت کی ضرورت ناگزیر ہے۔

کچھ زیادہ دیر نہیں گذری ـــــ تاریخ کے عین اسی دور کا واقعہ ہے جس کو آج ہم طے کر رہے ہیں ـــــ کہ عرب میں ایک شخص اس حال میں اٹھا کہ پوری دنیا نہ صرف یہ کہ نہایت غلط اصولوں کے تحت زندگی بسر کر رہی تھی بلکہ وقت کی تاریخ کی باگ ڈور انتہا درجہ کے ظالم اور فاسق و فاجر لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ اخلاق اور شرافت کو مشرق و مغرب کے ہر معاشرے میں ایوانِ اقتدار سے دھکے دے کر باہر نکالا جا چکا تھا اور خباثت و شیطنت امامت کی ساری مسندوں پر قابض تھی۔ اُس شخص نے اس صورتِ حالات کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا۔ اُس نے پہلے اپنے خاندان، پھر اپنے شہر اور علاقے، پھر پورے عرب اور اس کے بعد روم و ایران کے سامنے ایک نیا اصول، نیا نصب العین اور نیا نظام پیش کیا۔ لیکن اس کی دعوت محض ایک شاعرانہ اور فلسفیانہ فکری و تخیلاتی پیشکش نہ تھی، بلکہ اس نے اپنے اصولوں کے مطابق اپنی شخصیت کو پورے کمال کے ساتھ تعمیر کر کے دکھایا، پھر اپنی شخصیت کے سانچے میں اپنے رفقا کی زندگیوں کو ڈھالا اور اپنے اصولوں کے مطابق ایک جماعت

قائم کر کے ایک فیصلہ کن انقلابی جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ اس انقلابی جدوجہد کے دوران جب اس نے ایک نئی صالح قیادت کو پروان چڑھایا، جو ماحول سے جدوجہد کرتی ہوئی جب پورا ارتقا کر چکی تو سب سے پہلے اس نے مدینہ کی چھوٹی سی ریاست کو فسق و فجور کی امامت سے نجات دلائی اور پھر وہ جماعت عالمگیر فضاؤں میں [illegible] بن کے نکلی، یہاں تک کہ بین الاقوامی حیثیت سے معصیت کا اقتدار ایک ایک کوچے پر رخصت ہوا۔ جہاں کہیں یہ صالح امامت فاتح بن کر اقتدار پر آئی وہاں درست تمدن ... نے محسوس کیا کہ زندگی کے سارے مسائل کی گتھیاں سلجھ کر اپنی جگہ پر ٹھیک بیٹھ گئی ہیں اور متوازن اور عادلانہ زندگی نے ہر گوشے میں عملاً کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ لیکن آگے چل کر جب پھر اس قیادت میں اختلال آیا "ظہر الفساد فی البر والبحر" کی حالت از سرِ نو عود کرنے لگی۔

چند صدیاں پہلے کی یہ تاریخ ـــ جسے ہم اجمالی طور پر کئی تاریخ کر سکتے ہیں ـــ اس حقیقت کی ناقابلِ تردید گواہی دیتی ہے کہ انسانی مشکلات کا حل صرف ایک پاکیزہ فلسفہ اور ایک متوازن فکر ہی کا متقاضی نہیں ہے، بلکہ وہ ایک صالح قیادت کے نظم و تدبر کا بھی بہرحال منت کش ہے۔

آج کرۂ ارضی کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک ابنائے آدم کی زندگی کا روز بروز بد سے بدتر ہوتا جانا اس وجہ سے ہے کہ وہ اصول اور نظام غلط ہے جس کے زیرِ سایہ ہم جی رہے ہیں۔ وہیں دوسرا اہم وجہ یہی ہے کہ سیاست و تمدن اور معیشت و معاشرت کی باگ ڈور نہایت گھٹیا کیریکٹر کے انسانوں کے ہاتھوں میں ہے۔ تہذیب حاضر نے یہی ظلم ہم پر نہیں توڑا ہے کہ خدا کی ہدایت، خدا کے قانون اور خدا کے دین کو نظامِ زندگی سے بے تعلق کر دیا ہے اور انسانوں کے لئے حدود ناآشنا مطلق العنان حاکمیت اور تشریع سازی کے حقوق تسلیم کر لئے ہیں، بلکہ اس نے مزید کرم یہ کیا ہے کہ زمین کی امامت و قیادت نااہل لوگوں کو تفویض کر دی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ ایک نظامِ باطل کے ساتھ ایک صالح قیادت کا کوئی جوڑ سرے سے ہے ہی نہیں۔

یہ ایک نہایت ظالمانہ صورتِ حالات ہے کہ وہ لوگ جن کو ڈاکوؤں کی صف میں جگہ ملنی چاہیئے، وہ خزانوں کے نگہبان بنائے گئے ہیں، جن لوگوں کی پوری زندگیاں جرائم کا مجموعہ ہیں ان کو عدالتوں کی کرسیوں پر بٹھا دی گئی ہے،

جو اس قابل ہیں کہ قومیں ان کو غدار شمار کریں، انہیں کو تختِ حکمرانی پر بٹھا دیا گیا ہے، وہ جو اپنے اقتدار کے لئے طبقات اور قوموں کو لڑا لڑا کر انسانی خون سے بار بار زمین کو رنگین کرنے کے مجرم ہیں، ان کو نقیبِ امن قرار دیا گیا ہے، وہ جن کا اخلاقی دیوالیہ پن اپنی آخری انتہا کو پہنچ چکا ہے، انہیں قوموں نے اپنی اور اپنی آئندہ نسلوں کی تعلیم و تربیت کے لئے معلمِ اخلاق اور ائمہ تہذیب بنا رکھا ہے! اس سے زیادہ دردناک منظر کیا ہوگا کہ سائنس نے اپنی تمام ایجادات، جماعتوں نے اپنی ساری منظم طاقتیں، انسانوں نے اپنے دل و دماغ کی قیمتی صلاحیتیں، اور سرمایہ و محنت نے اپنی ساری تخلیقی قابلیتیں زمین کے ہر حصے پر شیاطینِ انس کی تحویل میں دے رکھی ہیں۔

اس حال میں امن کی خواہش کرنا، آزادی کے خواب دیکھنا، عدل و انصاف کا تصور کرنا ایک ذہنی تفریح اور ایک لغو قسم کی خود فریبی کے سوا اور کیا حیثیت رکھتا ہے!

زمین کی دوزخ کو انسانوں کے جینے کے قابل بنانے کے لئے سرسری اور اوپری قسم کی تبدیلیاں اور انقلاب بے کار ہیں، اگرچہ اقوامِ عالم اسی قسم کی تبدیلیوں میں بار بار اپنے سرمایۂ قوت کو جھونک رہی ہیں۔ ہماری گزشتہ دو صدیاں تمام تر انقلابوں، تصادموں اور جنگوں میں بیتی ہیں اور ہر انقلاب کی بساط پر آدمی نے اپنے آپ کو اسی توقع پر داؤں میں لگایا ہے کہ شاید اس معرکۂ تغیر کے بعد زندگی صحیح ڈھب پر آسکے گی لیکن افسوس کہ اس جواری نے اپنے یہ سارے داؤں بری طرح ہر دیئے ہیں، اور اب یہ اندھا دھند مزید داؤں لگاتے چلا جا رہا ہے۔

وہ تبدیلی جو پورے عالمِ انسانی کو موجودہ ہمہ گیر اضطراب سے نجات دلا سکتی ہے، وہ صرف ایسی تبدیلی ہو سکتی ہے جو نظامِ زندگی کی اصولی بنیادوں کو بدل سکے اور اس کے ساتھ ساتھ مشرق و مغرب کو شیاطینِ انس کی ناپاک قیادت سے کلیتہً آزاد کرانے کے لئے ایک صالح قیادت کو سامنے لا سکے۔

جماعت اسلامی تحریک ایسی ہی ایک ہمہ گیر اور اصولی تبدیلی کا پروگرام لے کے میدان میں آئی ہے۔ وہ ایک طرف اس فکر کو شکست دینا چاہتی ہے جس فکر کے محور پہ دورِ حاضر کا نظام اپنی مختلف شکلوں کے ساتھ چل رہا ہے اور وہ نظامِ حیات کی تعمیرِ نو کے لئے اعلیٰ درجہ کے پاکیزہ اصول سامنے لا رہی ہے۔ دوسری طرف وہ اپنی اسلامی فکر کے مزاج کے مطابق ایک نئی قیادت کو نشو و نما دے کر شیاطینِ انس سے تہذیب کی زمام کار سلب کر کے انسانیت کو

جاہلیت کے اقتدار سے پوری طرح نجات دلانے کا پروگرام لے کر چلی ہے۔ جماعت اسلامی کی انقلابی تحریک کے منصوبہ کا جتنا یہ جزو اہم ہے کہ انسانی حاکمیت و قانون سازی کی معصیتِ عظمیٰ سے بندگانِ خدا کو نجات دلا کر سیاست و تمدن کی ساری عمارت خدا کی بندگی و اطاعت اور خدا کی ہدایت کی پابندی کے اصل الاصول پر استوار کی جائے، اتنا ہی اس کا یہ جزو بھی اہم ہے کہ اقتدار کی باگیں خدا ناشناس اور اخلاق باختہ افراد اور جماعتوں اور قوموں سے چھین کر ایسے خدا ترس اور بلند سیرت انسانوں کے سپرد کی جائیں جو پوری زمین کا نمک ہوں۔

چنانچہ اگست ۱۹۴۱ء سے برعظیم ہند میں جماعت اسلامی سیاست و تمدن کی اصلاح کے لئے اپنی دوگونہ تدابیر کو لے کر ابتدائی کام کرتی چلی آ رہی ہے۔ وہ ایک طرف سوچنے سمجھنے والے لوگوں کو مروجہ تہذیب کے اصول و فکر سے غیر مطمئن، بلکہ باغی بنا کر ان میں اسلامی اصول و فکر کے لئے گہرا ایمانی جذبہ پیدا کرنے میں مصروف ہے اور دوسری طرف اس اصول و فکر کے سانچے میں ڈھلنے والے صالحین کو ایک مرکز پر جمع کر کے وہ منظم طاقت فراہم کر رہی ہے جو اسلام کے نظامِ صالح کے قیام کی صورت میں ایک قیادتِ صالحہ کی ضرورت کو پورا کر سکے۔ برعظیم ہند کی تقسیم سے پہلے بھی جماعت کا مدعا یہی تھا اور آج تقسیم کے بعد انڈیا اور پاکستان کے دونوں خطوں کی دو جماعتوں کے سامنے بھی پروگرام یہی ہے

انڈیا اور پاکستان کے لئے انگریز خدا ناشناس اخلاق باختہ نے جو تہذیب اور جو سیاست اپنے ورثے میں چھوڑی ہے، اس کا ناپاک ترین پہلو یہی ہے کہ ہمارے اندر قیادت کا ایک نہایت ہی غلط معیار عملاً پوری طرح رائج ہو چکا ہے اور ہم لوگ اس مہلک معیار کے اتنے عادی بھی ہو چکے ہیں کہ اسے بدلنے کی ضرورت کا احساس بہت ہی تھوڑے دلوں میں کارفرما ہے۔

مغرب کے عطا کردہ معیارِ قیادت کی رو سے یہ اصول ہمارے ہاں پوری قبولیت حاصل کر چکا ہے کہ بلدیاتی اور دوسرے مناصبِ اعلیٰ کے امیدواروں میں زیادہ سے زیادہ دیکھنے کی چیز مہارتِ کار ہے لیکن ان کے سیرت و اخلاق کا تجزیہ کرنے اور دریافت کرنے کے لحاظ سے ان کو پرکھنے کی سرے سے ضرورت نہیں ہے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا مہلک اصول مروجہ معیارِ قیادت نے ہمارے شہریوں کو یہ بھی سکھایا ہے کہ اربابِ قیادت کی پرائیویٹ زندگیوں پر تم کو نگاہ ڈالنے کا کوئی حق نہیں ہے، تمہارا تعلق ان کی صرف پبلک لائف سے ہے!

یہ دونوں باتیں نہایت غلط اور اجتماعی مفاد کے لئے نہایت درجہ مضر ہیں۔ سوچئے تو سہی کہ آپ گھر کا سودا سلف لانے کے لئے کوئی خادم یا دکان پر حساب کتاب لکھنے کے لئے کوئی منشی یا اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے کوئی اتالیق بھی رکھتے ہیں تو صرف کام کی اہلیت و قابلیت ہی کو نہیں دیکھتے، بلکہ لازماً سیرت و اخلاق کے لحاظ سے بھی اطمینان حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں لیکن یہ کیا عجیب بے اصولی ہے کہ جن لوگوں کو ہزاروں لاکھوں انسانوں کی فلاح و بہبود کا ضامن بنایا جا رہا ہو، جن کو ملک و قوم کی بے پناہ قوتوں پر پورا پورا قابو دیا جا رہا ہو اور جنہیں ایک قوم کی زندگی کے جہاز کو پار لگانے یا سمندر کی لہروں میں غرق کر دینے کے پورے اختیارات کے ساتھ ناخدائی سونپی جا رہی ہو، اس میں صرف فنی مہارتوں کو دیکھا جائے، لیکن ان کے کیریکٹر کا پورا پورا جائزہ نہ لیا جائے — درانحالیکہ ان کے کیریکٹر کی ہر کمزوری قومی مفاد کی تباہی کا ایک قطعی پیغام اپنے ساتھ رکھتی ہے!

اب دوسرے اصول کی لغویت پر غور کیجیے کہ ایک آدمی کو صرف جلوت کے اسٹیج پر دیکھنے کا حق دیا جاتا ہے، جہاں وہ نمائش کاری کے پورے فن سے کام لے کر دلکش ترین بہروپ بھر کے آتا ہے لیکن پبلک لائف کے اسٹیج سے ہٹ کر وہ خلوت کے پردوں میں کس طرز کی زندگی گذارتا ہے، اس سوال کو چھیڑنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ حق صرف اس بات کے دیکھنے کا دیا جاتا ہے کہ ایک شخص لیڈری کس خوبی سے کرتا ہے، لیکن اس بات پر توجہ کرنے کا حق نہیں دیا جاتا کہ وہ شخص کیسا باپ ہے، کیسا شوہر ہے، کیسا پڑوسی ہے، کیسا دوست ہے، کیسا شہری ہے، اس کی شخصی دلچسپیاں کیا کچھ ہیں، اس کی گھریلو زندگی کس حد تک پاکیزہ ہے، وہ معاملے اور لین دین میں کیسا ہے، راست بازی اور ایفاءِ عہد کے لحاظ سے اس کا مقام کیا ہے، شرم و حیا اور عصمت و آبرو کے پہلو سے اس کا درجہ کتنا بلند، کتنا پست ہے — حالانکہ ان سارے امور کا جائزہ لئے بغیر اس بات کا کبھی صحیح فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ کون کیسا لیڈر ہے!

انسان اگر پبلک اور پرائیویٹ زندگیوں کے دو فرضی دائروں میں اپنے دل، اپنے دماغ، اپنے خیالات، اپنی نفسیات، اپنے اصولوں، اپنے نظریات، اپنے معمولات، غرضیکہ اپنی شخصیت کے تمام اجزاء کو لباس کی طرح بدل سکتا ہو اور دونوں دائروں کے درمیان کوئی آہنی حد بندی قائم کر سکتا ہو، تب تو بات دوسری تھی، لیکن اگر انسان اپنی شخصیت کی سعادت و نحوست کو ہر جگہ اپنے ساتھ لئے لئے پھرتا ہے اور وہ اپنے کردار و سیرت کے محاسن و معائب کا پورا پشتارہ ہمہ وقت پیٹھ پر لادے ہوتے ہے تو پھر پبلک لائف اور پرائیویٹ لائف کی تقسیم کا خیال تک کرنا بد ترین حماقت ہے۔

ہماری بدقسمتی کہ کانگریس اور مسلم لیگ اور دوسری تمام ضمنی جماعتوں اور تحریکوں نے مغربی معیارِ قیادت کے اِن دونوں بیہودہ اصولوں کو قبول کر کے ان کے مطابق اپنے عوام کی مسلسل کئی سال تک سخت غلط ذہنی تربیت کر ڈالی ہے :

جہاں یہ غلط معیارِ قیادت ایوانِ اقتدار پر بحیثیت پاسبان کے کھڑا ہو، وہاں بغیر کسی جھجک کے پست سے پست اخلاق کو ساتھ لے کر ایک شخص داخلے کا اجازت نامہ حاصل کر سکتا ہے اور موقع ہو تو بڑی سے بڑی مسندِ جاہ پر قابض ہو سکتا ہے۔ جہاں یہ پوچھ ہوتی ہی نہیں کہ "تم آدمی کیسے ہو" بلکہ پوچھ صرف اس بات کی ہو کہ تمہاری زبان کس رفتار سے حرکت کر سکتی ہے، تم نعرہ کتنے زور سے لگا سکتے ہو، تم عوام کی نفسیات اور جذبات پر چھا جانے کی کتنی صلاحیت رکھتے ہو؟ یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ تم جیل میں کتنا وقت گذار کے آئے ہو اور قومی ضروریات کے لئے تم نے کتنا مال یا وقت کبھی دیا تھا؟ ـــــ تو ظاہر ہے کہ اندر آنے والے لوگ لیڈری کے ماہر ضرور ہوں گے، لیکن انسانیت کے ماہر کبھی نہیں ہوں گے!

چنانچہ انڈیا اور پاکستان کے لاکھوں عوام کی زندگیوں سے سیاست کا جوا کھیلنے والے جو کھلاڑی دونوں مملکتوں کے ایوانہائے اقتدار کی مسندوں پر قابض ہیں، اُن کو اور جس لحاظ سے بھی جانچا گیا ہو، اُن کا اخلاقی معائنہ بہرحال کبھی نہیں کیا گیا۔

پریس چھاپنے سے انکاری ہے :-

لیکن یہ ایک تاریخی عجوبہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد بھی زندگی کی امامت انہیں لوگوں کے قبضے میں رہی جو اپنے اخلاقی افلاس اور اپنے ضمیر کے دیوالیہ پن کا پورا پورا ثبوت بہم پہنچا چکے ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ ہندو، مسلم عوام کی یہ غلط فہمی بھی تھی کہ شاید اُن کے "بڑوں" کی پستیٔ اخلاق، ان کی بے ضمیری، اور ان کی خدا ناترسی صرف اس جنگ کو جیتنے والے آلات و اسلحہ ہیں جو ان کی حریف قوم کے خلاف لڑی جا رہی ہے، ان آلات و اسلحہ سے خود ان کو کسی طرح کا خطرہ نہیں ہے، بلکہ دو قومی جنگ کے ختم ہوتے ہی ان کے اکابر ہتھیار کھول دیں گے — اور اپنی قوم کے لئے ہمہ تن امانت کیش، ایثار پیشہ، فرض شناس، عدل پسند، و راست باز بن جائیں گے۔ مسلمانوں کی دشمنی کے اندھے

(باقی صفحہ ۲۷ پر)

مقالات :-

مطالبۂ نظام اسلامی

مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی

یہ تقریر مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی امیر جماعت اسلامی (حال امیر پاکستان) نے ۱۹۴۸ء میں پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں پیش فرمائی تھی۔ اس تقریر کو مولانا کی نظر بندی کے بعد افادہ عام کے لئے مکتبہ جماعت اسلامی نے مرتب کر دیا ہے "مطالبہ" کی یہ تقریر "انقلاب قیادت" کے نئے مرحلے میں ہماری رہنمائی کر سکتی ہے۔ لہٰذا اسے خاص طور پر شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

ہم دوراہے پر کھڑے ہیں

بعد از حمد و ثنا! حاضرین و حاضرات! یہ وقت جس سے ہم آج گذر رہے ہیں، ہماری قومی و ملی تاریخ کے نازک ترین اوقات میں سے ہے۔ اس وقت ہم ایک دوراہے پر کھڑے ہیں اور ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ ہمارے سامنے جو دو راستے کھلے ہیں، اُن میں سے کس کی طرف بڑھیں۔ اس موقع پر جو فیصلہ بہ حیثیت قوم ہم کریں گے، وہ نہ صرف ہمارے مستقبل پر بلکہ نہ معلوم کتنی مدت تک ہماری آئندہ نسلوں پر اثر انداز ہوتا رہیگا۔ ہمارے سامنے ایک راستہ تو یہ ہے کہ ہم ان اصولوں پر اپنے نظام زندگی کی بنیادیں کھڑی کریں جو اسلام نے ہم کو دیئے ہیں۔ ہماری ساری کی ساری زندگی --- ہماری معاشرت، ہماری معیشت، ہمارا تمدن، ہماری سیاست غرض سب کچھ ان اصولوں پر استوار ہو جو اسلام نے مقرر کر دیئے ہیں۔ دوسرا راستہ ہمارے سامنے یہ ہے کہ ہم کسی مغربی قوم کے نظامِ زندگی کو قبول کر لیں۔ خواہ وہ اشتراکیت ہو، لادینی جمہوریت ہو یا کوئی اور نظام زندگی ہو۔

اگر خدانخواستہ ہم نے دوسرے راستے کو پسند کیا تو ہم نے اسلام کی بحیثیت قوم نفی کریں گے، اور اپنے ان تمام اعلانات سے منحرف ہوں گے جو ایک مدت سے ہم خدا اور خلق دونوں کے سامنے کرتے رہے ہیں اور اس اجتماعی وعدہ خلافی کی وجہ سے خدا و خلق دونوں کے سامنے ہمیں رسوا ہونا پڑے گا، پھر اس راستے پر چلنے کا سب سے زیادہ افسوسناک نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستان میں اسلام کی تاریخ کا قطعی خاتمہ ہو جائے گا۔ بخلاف اس کے اگر ہم پہلا راستہ انتخاب کریں اور خالص اسلامی اصولوں پر اپنی قومی زندگی کو قائم کریں تو ہم دنیا میں بھی سرفراز ہوں گے اور آخرت میں بھی ہمارے لئے کامیابی ہو گی۔ ہم خدا کے حضور بھی سرخرو ہوں گے اور خلق کے سامنے بھی ہمارا وقار قائم ہو سکے گا۔ ہم اسلامی نظامِ زندگی کے علمبردار بن کر پھر اسی مقام پر کھڑے ہو جائیں گے جس پر ہزاروں برس پہلے جب ایک قوم کھڑی ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اسے مخاطب کر کے ارشاد فرمایا تھا کہ اِنِّی فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْن۔ یعنی تمہیں دنیا کی ساری اقوام پر فضیلت دی جاتی ہے۔ پھر اس کے بعد جب اسی مقام عظمت پر ایک دوسری قوم کھڑی ہوئی تو

اسے کہا گیا کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اور کَذٰلِکَ جَعَلنٰکُم اُمَّۃً وَّسَطاً، یعنی تم بہترین امت ہو اور تمہیں مرکزی امت بنایا گیا ہے۔

ہمارے مسلمان ہونے کا تقاضا

بہرحال آج یہ دونوں مواقع ہمارے سامنے ہیں اور ان میں سے جس کا بھی ہم انتخاب کریں گے، اس کا اثر مدت ہائے دراز تک ہماری قسمتوں اور ہماری آئندہ نسلوں کی قسمتوں پر پڑے گا۔ اس موقع پر اگر ہم اسلام کے اصولوں کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں اور اپنے نظام حکومت کی تشکیل اسلام کے نقشے پر کرتے ہیں تو یہ کئی وجوہ سے درست ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے مسلمان ہونے کا عین تقاضا یہی ہے۔ مسلمان ہونے کے معنی خدا کا مطیع ہو جانا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی خودمختاری اور آزادی کو خدا کے حق میں (Surrender) کر دیا جائے اور اقرار کر لیا جائے کہ اب میں جو زندگی بسر کروں گا، خدا کے مقرر کئے ہوئے حدود اور ضابطوں کے اندر رہ کر بسر کروں گا، خدا کی طرف سے جدھر بڑھنے کا اشارہ ہوگا، ادھر بڑھوں گا۔ اور جدھر سے رک جانے کا حکم ہوگا، ادھر سے رک جاؤں گا۔ چنانچہ جب ایک فرد اپنے خدا سے اس طرح کا عہد باندھ کر اپنی زندگی کو اس کی رضا کے تابع کر دیتا ہے تو وہ مسلمان ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح اجتماعی حیثیت سے ایک قوم کے مسلمان ہونے کا طریقہ بھی یہی ہے کہ وہ اپنی آزادی و خودمختاری سے اللہ تعالیٰ کے حق میں دستبردار ہو جائے اور اپنے آپ کو اس کے حدود و قوانین کا پابند بنا لے۔ یہ ایک عجیب اور نرالی بات ہوگی کہ کسی قوم کا ایک ایک فرد تو اپنی جگہ مسلم ہو لیکن جب وہ مل کر ایک اسٹیٹ بنیں تو وہ اسٹیٹ غیر مسلم ہو۔ اگر مجموعہ غیر مسلم ہو تو افراد کس طرح مسلم ہو سکتے ہیں اور اگر افراد مسلم ہوں تو ان کا مجموعہ غیر مسلم کیوں ہو؟ افراد اگر مسلمان ہوں اور مسلمان رہنا چاہتے ہوں تو ان کے لئے لازم ہے کہ وہ جب مل کر ایک قوم اور ایک اسٹیٹ کی شکل اختیار کریں تو وہ قوم اور اسٹیٹ ہونے کی حیثیت سے بھی مسلمان ہوں۔

پاکستان برائے اسلام

پھر ہمارے مطالبۂ پاکستان کا بھی یہی تقاضا ہے کہ ہم یہاں کا نظام اسلامی اصولوں پر قائم کریں۔ پچھلے دس سال میں بحیثیت قوم ہمارا یہ مطالبہ تھا کہ ہمیں ایک خطہ زمین ایسا ملنا چاہئے جس میں ہم اپنی تہذیب و تمدن کو از سر نو قائم کر سکیں۔ اور اپنے دین کے اصولوں پر اپنی زندگی کو نشوونما دے سکیں۔ اور ایک غیر مسلم اکثریت کے تحت ہمارے لئے اس طرح کی زندگی ممکن نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اب ڈیڑھ سال پہلے تک اس امر کے کوئی آثار نہ تھے کہ ہندوستان تقسیم ہو جائیگا اور یہاں مسلمانوں کی ایک آزاد سلطنت قائم ہو جائیگی۔ حتیٰ کہ جو لوگ آگے چل رہے تھے اور اس مطالبے کی جد و جہد میں قیادت کا فرض ادا کر رہے تھے، خود انکو بھی اس بات کا قطعی یقین نہ تھا کہ پاکستان قائم ہو جائیگا۔ اسکے بعد حالات جس طرح بدلے اور

پاکستان کے قیام کیلئے جس طرح فضا سازگار ہوئی اور ملک آناً فاناً تقسیم ہوگیا، اس کی آپ جو چاہیں عقلی توجیہیں کریں، لیکن میں اس انقلاب میں ارادۂ الٰہی کو خاص طور پر شامل پاتا ہوں۔ واقعہ درحقیقت یہ ہے کہ صدیوں کے بعد تاریخ میں یہ بات پیش آئی ہے کہ ایک قوم نے کھڑے ہوکر بحیثیت قوم کے کہا کہ ہم اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں اور چونکہ غیر مسلم اکثریت کی حکومت میں ہمارے لیٔے اس کا امکان نہیں ہے، لہٰذا ہمیں ایک آزاد خطۂ زمین ملنا چاہیئے اگر ہمیں یہ آزاد خطہ ملجائے تو اس میں پورے کے پورے اسلام کو غالب کرینگے۔ خدا کے ہاں یہ بات مقبول ہوئی کہ جب یہ قوم کہتی ہے کہ ہم اسلامی نظامِ حیات کو اختیار کرنا چاہتے ہیں تو ایک بار اسے اس کا موقع دینا چاہیے۔ ایک مدت سے آپ کو پامال کیا جارہا تھا لیکن آپ نے جب یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ پنپنا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے اسکا موقع فراہم کردیا۔

ایک نازک امتحان یہ موقع جس طرح فضل و رحمت ہے، اسیطرح یہ آزمائش و امتحان بھی ہے۔ پاکستان ملجانے کے بعد آپ سب امتحان گاہ میں کھڑے ہیں۔ اب آپکا اس امر میں امتحان ہے کہ آپ پچھلے دس سال میں جو کچھ زبانوں سے کہتے رہے ہیں، کیا آپکی نیتیں بھی انہیں کے مطابق ہیں؟ خدا و خلق کے روبرو جو اقرار آپنے کیٔے ہیں کیا وہ سچے اقرار تھے یا جھوٹے؟ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اسلامی حکومت قائم کرنے کا جو چرچا آپنے کیا تھا، کیا وہ لوگوں کو دھوکا دینے کیلئے تھا یا اب صدق دل سے آپ اپنی زبان سے نکالی ہوئی بات پر عمل کرکے دکھاتے ہیں؟ آپ کہتے تھے کہ پاکستان کا مطلب کیا ہے؟ لا الٰہ الا اللہ! آپ کہتے تھے کہ ہم پاکستان اسلئے چاہتے ہیں کہ اسلام پر پوری طرح عمل کرسکیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے پاکستان دے کر آپکو آزمائش میں ڈال دیا ہے اور وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ آپ سچے تھے یا جھوٹے؟

اسلام کے تحفظ و بقا کی واحد صورت تیسری بات جسکی وجہ سے یہ فیصلہ اور بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے، وہ بہت زیادہ دردناک ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس انقلاب نے جو پچھلے سال ہوا ہے ہمیں ایک نازک مقام پر لاکر کھڑا کردیا ہے۔ ہندوستان کا ایک اچھا خاصا بڑا حصہ جسکی حدیں واہگہ سے لیکر دہلی تک اور اجمیر سے لیکر ڈیرہ دون تک پھیلی ہوئی تھیں، اسلام سے اور اسلام کا نام لینے والوں سے بالکل خالی ہوچکا ہے۔ جس خطے نے کبھی شاہ ولی اللہ اور مجدد الف ثانی رحمہم اللہ کو جنم دیا تھا، آج وہاں اذان کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی۔ وہاں نہ کوئی اذان کہنے والا رہا ہے، نہ کوئی اذان سننے والا باقی ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے باقی تین چوتھائی حصہ میں بھی اسلام مٹا ہی چاہتا ہے۔ اب وہاں صورت حالات یہ ہے کہ ریل میں سفر کرتے ہوئے یہ پہچاننا مشکل ہے کہ مسافروں میں مسلمان کون ہے۔ جو لوگ کل تک اسلام اسلام پکار رہے تھے، آج وہ اسلام سے توبہ کر رہے ہیں اب وہاں اگر کوئی مسلمان رہ سکتا ہے تو

صرف اسی طرح رہ سکتا ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ اس میں اسلام کی بو بھی باقی نہیں ہے۔ اگر یہی رفتار رہی تو آئندہ دس سال میں مسلمان کا وجود ہندوستان میں عنقا ہو جائیگا۔ ہمارے اسلاف نے ہندوستان میں جو اسلام صدیوں کی لگاتار کوششوں سے پھیلایا تھا وہ اب آٹھ سو سال کے بعد پاکستان کے دو خطوں میں سکڑ کر رہ گیا ہے۔ اب اگر ہم نے ایک قدم بھی غلط سمت میں اٹھا دیا تو ہندوستان میں اسلام کی ایک ہزار سال کی تاریخ پر پوری طرح پانی پھر جائیگا اور اس برعظیم ہند کے تین چوتھائی حصے سے تو اسلام دوسروں کے مٹانے سے مٹ رہا ہے، یہاں یہ ہمارے اپنے مٹائے مٹے گا۔ اسلئے اب ہمیں اگلا قدم خوب سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہیئے۔ اب صرف ایک ٹھوکر ہمارے اور اسلام کے مٹنے میں حائل ہے۔ اگر ہم نے اس موقع پر ٹھوکر کھائی تو ہمارے اسلاف کے دینی کارنامے کی ساری تاریخ حرفِ غلط کیطرح مٹ جائیگی۔ یہ سب جو اس امر کے داعی ہیں کہ ہم فیصلہ کرلیں کہ ہمیں اس ملک کے نظام کو بہر حال اسلامی بنیادوں پر اٹھانا ہے یہ یہاں ہمارے ہاتھوں سے سیاست و تمدن کا جو نقشہ بنے گا وہ اسلام کے منشا کے مطابق ہی بنے گا۔

موجودہ نظام کو مسلمان بنانیکا طریقہ اس موقع پر میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس نظام کو جو یہاں اب تک چل رہا ہے، مسلمان بنانیکا طریقہ کیا ہے؟ کسی نظام کے مسلمان ہونیکا فطری طریقہ بالکل وہی ہے جو ایک فرد کے مسلمان ہونے کیلئے مقرر ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایک غیر مسلم فرد کو مسلمان بنانے کیلئے ہم یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ اسکی ظاہری شکل و صورت اور لباس میں کچھ تبدیلیاں کرادی جائیں اور اسے کہا جائے کہ اپنے کھانے پینے کی فہرست میں سے بعض چیزوں کو نکال دو اور اپنی عادات میں چند تبدیلیاں کرلو، اور پھر اسے چھوڑ دیا جائے کہ جاؤ اب تم آہستہ آہستہ مسلمان بنجاؤگے۔ پھر کچھ مدت کے بعد جب وہ غیر مسلم فرد اپنے اندر بہت سی تبدیلیاں کرچکے تو آخر میں اسے کلمہ پڑھایا جائے؟ — نہیں ہم ایسا نہیں کرتے، بلکہ جب کوئی فرد مسلمان ہونا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اسے کلمہ پڑھایا جاتا ہے اور جب وہ کلمہ پڑھ کے یہ اقرار کرلیتا ہے کہ اب سے اپنی زندگی خدا کی بندگی اور محمد صلعم کی اطاعت میں بسر کرنی ہے تو پھر ہم اسے ایک ایک کرکے دین کے احکام بتلاتے ہیں اور اس کے اعمال و افعال اور اسکے عادات و اطوار میں تبدیلیاں کراتے ہیں۔ ٹھیک یہی طریقہ ایک نظامِ حکومت اور نظامِ ملکی کو بھی مسلمان بنانے کا ہے کہ پہلے اس سے چند بنیادی اصول منوائے جاتے ہیں اور پھر جب وہ ان اصولوں کو تسلیم کرلیتا ہے تو اس کے سامنے اسلام کے عملی مطالبات تدریجاً رکھے جاتے ہیں اور اس میں وہ ساری تبدیلیاں پیدا کی جاتی ہیں جو دین کو مطلوب ہوں۔

ہمارے ملک کا نظام اس وقت گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء پر قائم ہے اور اسے انگریز نے اپنے اصول و مقاصد کے مطابق بنایا تھا۔ انگریز کی حکومت اسلام کی حکومت نہیں تھی، کفر کی حکومت تھی۔ پاکستان میں بھی وہی

نظامِ حکومت قائم ہے۔ اور اگرچہ اسے مسلمان چلا رہے ہیں، لیکن یہ نظام اپنی فطرت کے لحاظ سے کافرانہ ہی ہے۔ اب اس نظام کو مسلمان بنانے کیلئے اگر کوئی بنیادی تبدیلی سب سے پہلے کرنے کی ہے تو وہ یہی ہے کہ جس طرح فرد کو مسلمان بنانے کے لئے کلمہ پڑھایا جاتا ہے، اسی طرح اسے بھی کلمہ پڑھایا جائے۔ ایک حکومت کو کلمہ پڑھانے کیلئے جو دستوری طریقہ ہوسکتا ہے، اسے ہم نے ایک مطالبہ کی شکل میں مرتب کیا ہے جسے میں پڑھ کر سناتا ہوں اور پھر اسکی تشریح کروں گا تاکہ معلوم ہوجائے کہ اس اسٹیٹ کو مسلمان بنانے کیلئے پہلا قدم کیا اٹھانا چاہیئے، اور اس کے مطابق کیا جدوجہد کی جانی چاہیئے!

دستوری مطالبہ | مذکورہ مطالبہ جو اس موقع پر پڑھ کر سنایا گیا، درج ذیل ہے:-

"چونکہ پاکستان کے باشندوں کی عظیم اکثریت اسلام کے اصولوں پر ایمان رکھتی ہے، اور چونکہ پاکستان کی آزادی کیلئے مسلمانوں کی ساری جدوجہد اور قربانیاں صرف اسی خاطر تھیں کہ وہ ان اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرسکیں جن پر وہ ایمان رکھتے ہیں: لہٰذا اب قیامِ پاکستان کے بعد ہم پاکستانی مسلمان دستور ساز اسمبلی سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس بات کا اعلان کرے کہ:- (۱) پاکستان کی بادشاہی صرف اللہ تعالےٰ کیلئے ہے اور حکومت پاکستان کی کوئی حیثیت اس کے سوا نہیں ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کی مرضی اس ملک میں پوری کرے۔ (۲) پاکستان کا بنیادی قانون اسلامی شریعت ہے۔ (۳) وہ تمام قوانین جو اسلامی شریعت کے خلاف اب تک جاری رہے ہیں، منسوخ کئے جائیں گے اور آئندہ کوئی ایسا قانون نافذ نہ کیا جائے گا جو شریعت کے خلاف ہو۔ (۴) حکومت پاکستان اپنے اختیارات اُن حدود کے اندر استعمال کرے گی جو شریعت نے مقرر کردی ہیں۔"

اس مطالبہ کی حقیقت کو سمجھنے کیلئے یہ جان لینا چاہیئے کہ جب کسی ملک کا دستور مرتب کیا جاتا ہے تو سب سے پہلے بطورِ اصولِ موضوعہ کے یہ طے کیا جاتا ہے کہ کن اصولوں کے مطابق نظام بنانا ہے۔ ابھی آپ کے سامنے ہندوستان میں دستوری نظام بنایا گیا ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی میں سب سے پہلے ایک ریزولیوشن کے ذریعہ مقاصد (OBJECTIVES) طے کیے گئے تھے کہ کن مقاصد کے لئے یہ اسٹیٹ بنایا جارہا ہے۔ بالکل اسی طرح پاکستان میں بھی دستور سازی کا پہلا قدم یہی ہوسکتا ہے کہ مقاصد کو طے کرلیا جائے۔ انہی مقاصد کو ہم نے دستوری زبان میں چار نکات کی صورت میں مرتب کیا ہے۔ اب میں اس کی ایک ایک شق کی تشریح کرتا ہوں۔

(پہلی شق کی تشریح):-

۱ؔ یہ تقریر مارچ ۴۸ء میں کی گئی تھی۔ اس کے بعد مارچ ۴۹ء میں دستور ساز اسمبلی نے "قراردادِ مقاصد" پاس کی۔ جس سے آئینی طور پر اس ریاست کی حیثیت اسلامی قرار پاگئی۔ (مرتب)

خدا کی حاکمیّت | سیاست اور دستور (Constitution) میں بنیادی سوال

یہ ہوا کرتا ہے کہ حاکمیت (Sovereignty) کس کی ہے ؟ اگر حاکمیت کسی شخص یا کسی خاندان کے لئے مخصوص کی جاتی ہے تو پھر حکومت کی پوری مشینری اسی شخص یا خاندان کی مرضی کے گرد گھومتی ہے۔ اگر حاکمیت (Sovereignty) ملک کے عام باشندوں کی ہو اور مالک الملک خود ملک کے عوام ہوں تو پورا نظام باشندگان ملک کی مرضی کے گرد گھومتا ہے۔ اور حکومت کے تمام ذرائع اور طاقتیں اس لئے استعمال ہوتی ہیں کہ ان مالکان ملک یعنی عام لوگوں کے منشا کو پورا کیا جائے۔ یہ ایک بنیادی سوال ہے، اس لئے ہم نے سب سے پہلے اسی کو رکھا ہے پاکستان کے باشندے چونکہ مسلمان ہیں، اس لئے وہ مالک الملک نہیں ہو سکتے، ان کے مسلمان ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ اپنی حاکمیت اور آزادی سے خدا کے حق میں دست بردار ہو چکے ہیں۔ اب ان کا مقصد زندگی ہی یہ ہے کہ وہ ہر شعبہ زندگی میں خدا کی حاکمیت کو تسلیم کر کے اسی کے منشا کو پورا کریں۔ پس مسلمانوں کی قائم کی ہوئی حکومت بھی مسلمان اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مالک الملک مان کر اس کی مرضی کو پورا کرنے کا فیصلہ کر لے۔

بعض لوگوں نے اس مطالبہ کو یہ شکل دی ہے کہ حکومت یہ اعلان کرے کہ اس کا مذہب اسلام ہے۔ ہمارے نزدیک یہ کافی نہیں، اس لئے کہ بہت سے ملک ایسے ہیں جنھوں نے اپنے دستور (Constitution) میں اپنی حکومت کا مذہب اسلام ہی قرار دے رکھا ہے۔ لیکن وہاں حاکمیت کسی فرد یا خاندان یا عام باشندگان ملک کی ہے ..... میں کسی ملک کا نام لینا نہیں چاہتا کیونکہ ہم ایک آزاد قوم ہیں اور ہم کسی ہمسایہ ملک سے اپنے تعلقات بگاڑنا نہیں چاہتے

بہر حال جب تک کوئی حکومت حاکمیت (Sovereignty) کو اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص نہ قرار دے لے، دستوری حیثیت سے وہ اسلامی حکومت نہیں بن سکتی، یہی وجہ ہے کہ ہم اپنی دستور ساز اسمبلی سے پہلا مطالبہ اسی بات کا کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت پر ایمان لانے کا صاف صاف اعلان کرے۔

(دوسری شق کی تشریح):-

پاکستان کا بنیادی قانون دوسری شق پہلی شق کا منطقی نتیجہ ہے۔ چونکہ مالک الملک خدا ہے اس لئے اسی کی مرضی کو بنیادی قانون کی حیثیت حاصل ہونی چاہیئے۔ اس شق کو مان لینے کے بعد یہاں کی پارلیمنٹ کا قانون سازی کا حق محدود (Limited) ہو جاتا ہے اور ہماری اسمبلیوں کے اختیارات دوسری اسمبلیوں کی طرح غیر محدود نہیں رہتے۔ دوسرے لفظوں میں ہماری اسمبلیاں خدا کی ہدایت سے آزاد ہو کر کوئی قانون سازی نہیں کر سکتی۔ بلکہ ان کے لئے دستوری طور پر لازم ہو جائیگا کہ جو قوانین اللہ تعالیٰ نے صاف صاف طور پر بتا دیئے ہیں، انہیں وہ جوں کا توں بے چون وچرا قبول کر لیں اور ان کو پاکستان کے بنیادی قانون کی حیثیت سے نافذ العمل کریں۔ رہے وہ احکام جن کی ایک سے زیادہ تعبیریں ممکن ہیں، ان کی مختلف تعبیروں میں سے کسی ایک تعبیر کو اختیار کرنے کا حق ان لوگوں کو ہوگا جو کتاب وسنت کا علم اور فہم رکھتے ہوں۔ پھر جن امور کے متعلق خدا اور رسول نے کوئی واضح احکام نہیں دئے وہاں واضح احکام نہ دے کر خدا اور رسول نے خود یہ ظاہر کر دیا ہے کہ ان معاملات کے بارے میں مسلمانوں کی جماعت آزاد ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق قواعد وضوابط بنالئے اور اس کام کے لئے مسلمان عوام بہر حال ان لوگوں ہی کو متعین کر سکتے ہیں جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

(تیسری شق کی تشریح)

شریعت اسلامی کا احیاء یہ شق، شق دوم کا منطقی نتیجہ ہے۔ اس کا منشا یہ ہے کہ جس شریعت کو منسوخ کر کے انگریز نے قوانین جاری کئے تھے، اب وہ شریعت پھر نافذ ہونی چاہیئے۔ اور انگریز کی تہائی ہوئی ..... "کافرانہ شریعت" کو اب منسوخ کرنا چاہیئے۔ اب اس ملک کا ہر قانون شریعت اسلامی کے مطابق ہوگا اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ شریعت کے خلاف کوئی قانون بنائے۔ اب اگر کوئی مسودہ قانون شریعت کے خلاف یہاں کی پارلیمنٹ میں پیش ہوگا تو وہ از روئے دستور رد کر دیا جائے گا۔ اور اگر کوئی ایسا قانون پاس ہی ہو جاتے تو اس کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر

کرکے اس قانون کو منسوخ کرایا جاسکے گا۔

(چوتھی شق کی تشریح)

اسلامی حکومت کی عام پالیسی کسی نظام کا انحصار صرف قانون پر نہیں ہوتا، بلکہ اس عام پالیسی پر ہوتا ہے جس پر نظام حکومت کو چلایا جاتا ہے حکومت کو تعلیم و تربیت کے لیے ایک نظام بنانا ہوگا، وہ فوج اور پولیس کی تربیت کے لئے کوئی پالیسی اختیار کریگی، وہ مالیات کا نظام چلانے کے لئے کوئی خاص نقشۂ کار تجویز کریگی۔ وہ صلح و جنگ اور بین الاقوامی تجارت، اور سفارتی معاہداتی تعلقات کے لئے کوئی خاص روش بنائے گی۔ ہم چاہتے ہیں کہ حکومت یہ سارے کام اُن حدود کے اندر رہ کر کرے جو اسلام نے اس کے لئے مقرر کردی ہیں۔ اگر ہماری حکومت اپنے اختیارات کو مختلف داخلی و خارجی معاملات میں اسلام کی مرضی کے خلاف استعمال کرے تو اسلامی قانون کا اجراء بے معنی ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ہم نے اس کو بھی اپنے مطالبہ میں شامل کردیا ہے تاکہ اگر اسلامی حدود سے باہر جاکر کوئی پالیسی اختیار کی جائے تو اس کے خلاف بھی عدالت میں دعویٰ کرکے اسے بدلوایا جاسکے۔

تبدیلی کا نقطۂ آغاز میرے خیال میں اس تشریح کے بعد "مطالبہ" کا ٹھیک ٹھیک مفہوم سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ کسی اسٹیٹ کو مسلمان بنانے کے لئے سب سے پہلا قدم یہی ہو سکتا ہے جس کا تقاضا اس مطالبہ میں کیا گیا ہے۔ پس اگر ہم اپنے ملک میں اسلامی نظام حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں حکومت سے اس مطالبہ کو منوانا چاہیئے۔ اور اگر اس مطالبہ کو مان لیا جائے تو دوسرا قدم یہ ہوگا کہ ایسے اہل علم کی ایک کمیٹی بنائی جائے جو قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ دستور (Constitution) اور قانون (Law) دونوں کو خوب اچھی طرح سمجھتے ہوں۔ وہ باہم سر جوڑ کر بیٹھیں اور طے کریں کہ قرآن و حدیث کی رو سے وہ کون سے اصول ہیں جنھیں پاکستان کا بنیادی قانون قرار پانا چاہیئے۔ اور خلافت راشدہ سے وہ کون کونسی باتیں حاصل ہوتی ہیں جن کو نظائر (Precedent) کی حیثیت میں پیش نظر رکھنا ہوگا۔ لیکن یہ معاملہ بعد کا ہے اور جب اس کا وقت آئے گا تو یہ بھی ہو جائیگا، اس وقت تو سب سے اہم معاملہ یہی ہے کہ حکومت پاکستان

اپنے دستور کی زبان سے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرے۔ اس لئے اگر پاکستان کے لوگ فی الواقع یہ چاہتے ہیں کہ یہاں کا نظامِ حکومت اسلامی ہو تو وہ اس مطالبہ کو اپنا مطالبہ بنائیں۔ یہ میرا یا کسی پارٹی کا مطالبہ نہیں ہے۔ اس میں کسی شخص کو "شیخ الاسلام" بنانے کا یا کسی خاص فرقے کے علماء کو عہدے دلوانے کا، یا کسی خاص سیاسی پارٹی کے حقوق منوانے کا کوئی سوال شامل نہیں ہے، بلکہ یہ مطالبہ پوری امت کا ایک عام اجتماعی مطالبہ ہے۔

مطالبہ کیوں؟ اس مطالبہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ یہاں ایک مصنوعی انقلاب رونما ہوا ہے اگر یہ انقلاب اسلامی اصولوں کے مطابق فطری طور پر رونما ہوا ہوتا تو اس مطالبہ کی ضرورت پیش نہ آتی بلکہ انقلاب کے بعد فوراً آپ سے آپ اس ملک میں اسلامی حکومت قائم ہو جاتی۔ لیکن بحالاتِ موجودہ ایک مصنوعی انقلاب کے بعد جتنا اس امر کا امکان ہے کہ یہاں اسلامی نظام قائم ہو جائے، اتنا ہی اس امر کا بھی امکان ہے کہ ایک غیر اسلامی نظام اس ملک پر مسلط کر دیا جائے۔ اس لئے اسلامی نظام اب ایک منظم اور پر زور مطالبے ہی کے ذریعے قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس مطالبے کے لئے جدوجہد کرنے کی ضرورت اس وجہ سے بھی ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں ہم نے اپنی باگیں دے دی ہیں وہ ایک مدت سے متضاد باتیں کہہ رہے ہیں۔ یہ حضرات کبھی یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاکستان حاصل کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں، اگر یہاں اسلامی نظامِ حکومت قائم نہ کیا جائے۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہاں ایک لادینی جمہوری اسٹیٹ قائم کیا جائے گا۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہاں قرآن کی حکومت ہوگی اور کبھی یہ اعلان کرتے ہیں کہ یہاں سیاسی حیثیت سے نہ ہندو ہندو ہوگا نہ مسلمان مسلمان، بلکہ سب محض پاکستانی ہو کے رہیں گے۔ پھر اسلامی حکومت کی بھی مختلف تعبیریں کی جاتی ہیں۔ کبھی اس کی تعبیر یہ کی جاتی ہے کہ یہ انصاف اور مساوات اور اخوت کا ہم معنی ہے اور کبھی "اسلامی سوشلزم" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ نہ معلوم یہ اسلامی سوشلزم کیا چیز ہے؟ میرا خیال ہے کہ یہ لوگ خود بھی اس کا مطلب نہیں جانتے۔ کبھی یہ اسلامی جمہوریت کا چرچا کرتے ہیں ہم ان سے صاف صاف کہے دیتے ہیں کہ اگر موجودہ نظام جمہوری نظام ہے اور اس میں آپ عوام کے نمائندوں کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ لوگ جس معنی میں اسلامی نظام کے خواہشمند

ہیں، آپ اسی معنی میں اسے قائم کریں، آپ کو اور کچھ کرنے کا حق ہی نہیں پہنچتا۔

مطالبہ کرنے کی دوسری وجہ

پھر یہ مطالبہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم نے جن لوگوں کے ہاتھ میں اختیارات دئے ہیں ان میں سے بعض ان اختیارات کو اسی خلاف اسلام طریق پر استعمال کر رہے ہیں جو قوم کو اسلام سے ہٹا کر غیر اسلام کی طرف لے جانے والا ہے۔ ان میں سے ایک بیان خاصا گروہ ایسا ہے جو اسلام کے اصولوں پر فی الواقع عقیدہ نہیں رکھتا جنھوں نے مغربی اصولوں کو اپنے لئے اور اپنی نسلوں کیلئے پسند کر لیا ہے اور اپنے نظریوں کی فضا کو ان کے مطابق ڈھال لیا ہے۔ یہ چاہتے ہیں کہ جتنا یہ خود بگڑے ہیں۔ اتنا ہی پوری قوم کو بگاڑ دیں اور اس کام کے لئے وہ ان اختیارات کو استعمال کر رہے ہیں جو قوم نے ان کے ہاتھ میں دے ہیں۔ اس بارے میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی بے شمار مثالیں دن رات ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں میں اس کی صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ یہ ہمارے ایک فوجی بھائی کا خط ہے جو اخبار "کوثر" لاہور کے ۲ فروری ۴۸ء کے پرچہ میں اور "جہان نو" کراچی کی ۹ اپریل کی اشاعت میں شائع ہو چکا ہے،

(خط پڑھ کر سنایا گیا جس میں ملٹری اکیڈمی کے ایک تفریحی مجمع کا افسوسناک نقشہ مذکور تھا۔ جہاں کنگ جارج اور قائداعظم کے جام صحت کے طور پر شراب پی گئی، ماتحت افسروں کو بیویوں کے بے پردہ کرنے کی تلقین کی گئی اور اس کو ترقی منصب کا لازمہ قرار دیا گیا، "نماز" کو فوجی فرائض کے مقابلہ میں مؤخر رکھنے کے یہ ریمارک دئے گئے)

یہ ایک مثال ہے اور اس قسم کی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے رونما رہی ہیں۔ ایک جگہ ایک چپراسی نماز کے لئے گیا تو اسے ڈانٹا گیا۔ لاہور کے میڈیکل کالج کا واقعہ ہے کہ لدھیانہ کا ایک طالب علم جس نے جوش ایمان کے تقاضے سے اپنی صورت مسلمانوں کی سی بنا رکھی تھی، جب کالج میں داخلہ کے لئے گیا تو پرنسپل صاحب نے انٹرویو میں فرمایا کہ تمہارے چہرے پر داڑھی ہے، تم کسی مسجد میں جا کر ملاں بن جاؤ، کالج سے تمہیں کیا واسطہ؟ "جہان نو" کی ۹ اپریل کی اشاعت میں ایک مراسلہ شائع ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محکمہ فوج میں داڑھیوں پر پابندی لگائی جا رہی ہے۔ میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ان فوج کے اعلیٰ عہدہ داروں کو کبھی کسی سکھ پر بھی اس قسم کے اعتراض کرنے یا اس طرح کی پابندیاں کرنے کی جرأت ہوئی تھی؟ میں نے یہ اخبار جس میں ہمارے فوجی بھائی کا خط چھپا ہے یہاں کراچی بھیجا، اور یہ

کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کے ارکان کے پاس بھجوایا کہ وہ حکومت سے پوچھیں کہ کیا یہ گورنمنٹ کی پالیسی ہے یا محض افسرانِ حکومت کی ذاتی روش ہے؟ لیکن کوئی شخص اس سوال کو اٹھانے کے لئے تیار نہ ہو سکا یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ وہ اس کی کوئی اہمیت محسوس نہیں کرتے یا کم از کم اس کی طرف سے بے اعتنائی برتنا چاہتے ہیں۔

"دلیل مع قوت" کی ضرورت پھر اس مطالبے کی ضرورت اس لئے بھی پیش آئی کہ ہمارے یہ رہنما انگریز کے شاگرد ہیں۔ اگر یہ دلیل سے ماننے والے ہوتے تو ایک آدمی کا کہہ دینا کافی ہوتا، لیکن یہ اس طرح سے ماننے والے نہیں ہیں۔ یہ کسی بات کو اس وقت تک نہیں مانتے جب تک اس کے پیچھے قوت نہ ہو۔ ہم نے خود اس مطالبہ کو بھی دستور ساز اسمبلی کے ارکان کے پاس بھجوا کر حالات کو جانچنے کی کوشش کی ہے، اور ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے اس کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھا اور کوئی رکن اسے دستور ساز اسمبلی میں غور و بحث کے لئے پیش کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکا۔ اس لئے اب ہم اس مطالبے کو لے کر قوم کے سامنے آئے ہیں۔ اب یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ آپ کو اسلامی حکومت درکار ہے یا نظامِ کفر۔

منظم و متحدہ مطالبہ میں مسلمانوں کے تمام گروہوں سے کہتا ہوں کہ یہاں شخصیتوں اور گروہوں کا سوال نہیں، بلکہ ہم سب خدا کے سامنے جواب دہ ہیں اور اگر ہمارے ہاتھوں سے یا ہماری نگاہوں کے سامنے یہاں غیر اسلامی نظام قائم ہو گیا تو ہم سب اس کی عدالت میں پکڑے جائیں گے۔ اس لئے آپ اپنے سارے اختلافات کو بھول جائیے۔ آپ اگر آرام سے بیٹھے رہے تو یہ کام نہیں ہو سکے گا۔ اس مطالبہ کو منوانے کے لئے تمام ضروری تدابیر اختیار کیجئے اور آپ کو خوب معلوم ہے کہ کسی مطالبہ کو منوانے کے لئے کیا کیا تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔ ابھی ابھی آپ نے پاکستان کا مطالبہ منوا کر جو تجربہ کیا ہے اس سے فائدہ اٹھائیے اور جن صحیح اور موثر تدابیر کو آپ نے اس مطالبہ کو منوانے میں استعمال کیا ہے، ان سب کو نظامِ اسلامی کے مطالبے کے لئے بھی اختیار کیجئے۔ یہ مطالبہ بھی مخلصانہ کوشش چاہتا ہے، یہ بھی منظم اور متحد طاقت چاہتا ہے اور یہ بھی مال اور وقت اور آرام کی قربانیاں چاہتا ہے۔ اگر ان شرائط کو پورا کر کے آپ یہ ثابت کر دیں کہ یہ قوم کا اجتماعی مطالبہ ہے تو کس طرح ممکن ہے کہ آپ کے لیڈر اس کے خلاف جائیں۔ آپ اس کے لئے جلسے کیجئے، اس کے لئے ریزولیوشن پاس کیجئے، اس کے پوسٹر آویزاں کیجئے، اس

کو ریل کے ڈبوں اور موٹر بسوں میں لکھوا لیجئے اسے اپنی خط و کتابت کے کارڈوں اور لفافوں پر طبع کرائیے تاکہ اس مطالبے کے چار نکات آپ کے بچے بچے کی زبان پر ہوں۔

مسلم لیگی بھائیوں کی ذمہ داری میں اپنے مسلم لیگی بھائیوں سے کہتا ہوں کہ آپ نے پاکستان اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے مانگا تھا، آپ نے سب کچھ اسلام کے نام پر کیا۔ اب آپ آزمائش میں ڈال دیئے گئے ہیں اس آزمائش پر آپ پورے اترنا چاہتے ہیں تو اس مطالبہ کو اپنا مطالبہ بنائیے، اسے ابتدائی مسلم لیگوں سے پاس کرائیے، پھر صوبائی مسلم لیگوں کے سامنے یہ مسئلہ لائیے اور پھر جو لوگ اس مطالبے سے متفق نہ ہوں، انہیں لیگ سے باہر نکال دیجئے اب اشتراکیوں اور ملحد قسم کے لوگوں کے مسلم لیگ پر قابض رہنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔ اگر یہ دونوں باتیں ہو جائیں تو پھر مسلم لیگ اور جماعت اسلامی میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا بلکہ وہ دونوں قریب قریب ایک ہو جاتی ہیں۔

تعلیم یافتہ طبقہ کا فرض میں اپنے ملک کے تعلیم یافتہ طبقے سے بھی اپیل کرتا ہوں کہ وہ وقت کی نزاکت کو محسوس کریں۔ اُن پر اس سلسلہ میں بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ کسی ملک کی قوت لوہا اور کوئلہ نہیں ہے، بلکہ اس کے سوچنے اور سمجھنے والے لوگ ہی اس کی اصل قوت ہوتے ہیں آپ حضرات قوم کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں آپ کو فیصلہ کرنا چاہیئے کہ آپ کو اپنا وزن کس پلڑے میں ڈالنا ہے؟ اگر آپ کو اپنے اطمینان کے لئے دلائل درکار ہیں تو ہم آپکے تمام شکوک و شبہات کو دور کرنے کے لئے تیار ہیں اور آپ کو مطمئن کر سکتے ہیں کہ آپ کی، آپ کی قوم کی، بلکہ پوری دنیا کی فلاح اسی میں ہے کہ یہاں اسلامی نظام حکومت قائم ہو۔ اگر آپ اس پر مطمئن ہو چکے ہیں تو آپ کی ساری قوتیں اور قابلیتیں اس کی تائید میں صرف ہونی چاہئیں۔ پہلے پاکستان بننے کا مقصد بھی قوم کو اس وقت تک حاصل نہیں ہوا جب تک آپ نے اپنا سارا وزن اس پلڑے میں نہیں ڈالا تو اب نظام اسلامی قائم کرنے کا مقصد بھی اسی وقت پورا ہوگا جب کہ آپ اپنا پورا وزن اس پلڑے میں ڈال دیں گے۔

علماء و مشائخ سے گذارش میں علماء و مشائخ سے بھی کہتا ہوں کہ براہ کرم جزئی اختلافات کو چھوڑ دیجئے

اور اپنی ساری کوششیں اس کام پر مرتکز کر دیجئے۔ اگر یہ اصلاح ہو گئی تو سارے مسائل حل ہو جائیں گے آپ کو معلوم ہے کہ جب کسی ملک میں غیر اسلامی نظام نافذ ہو جاتا ہے تو ایک ایک کر کے اس میں سے اسلام کے سارے نشانات مٹ جاتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ دنیا میں ایک ملک ایسا بھی ہے جس نے مسلمان ہوتے ہوئے حج کو برسوں ممنوع رکھا۔ قرآن کے قوانین کو منسوخ کر کے ان کے بجائے دوسرے قوانین بنائے۔ قرآن نے عورت کا حصہ وراثت مرد سے آدھا رکھا ہے لیکن اس ملک میں نئے قانون میں عورت کا حصہ مرد کے برابر مقرر کیا گیا ہے۔ ہمارے ملک میں اب تک اسلام سے جو رعایات روا رکھی گئی ہیں اور جو نرمی کا سلوک اس سے کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں ایک غیر قوم کی حکومت تھی اور اس کی مصلحت اسی میں تھی کہ وہ مذہب کے معاملہ میں ذرا ڈھیل دے دے، لیکن اگر آپ کے اپنے ووٹوں سے یہاں لادینی حکومت قائم ہو گئی تو پھر اسلام کا نشان اس ملک میں باقی نہ چھوڑا جائیگا کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ اسی دنیا میں ایک مسلمان ملک کی حکومت ایسی بھی ہے جس نے لادینی نظام قائم کرنے کے بعد دینی تعلیم کو قانون کی طاقت سے حرام کر دیا ہے۔ اس لئے آپ اب جزئیات اور فروعات کو بھول جائیے اور ساری قوت اس کام پر اور اس بنیادی اصول کو منوانے پر صرف کر دیجئے کہ یہاں کا نظام اپنی بنیادی فطرت کے لحاظ سے صحیح معنوں میں اسلامی ہوگا۔

یہ جو کبھی کہا جاتا ہے کہ شراب بند کی جائے، کبھی یہ کہ زنا کے اڈے اٹھا دیئے جائیں —— تو یہ کام تو کانگرسی حکومت بھی کرتی رہی ہے، کیا ان کاموں کے کرنے سے کوئی حکومت اسلامی ہو جائیگی؟ پھر کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ بیت المال قائم کیا جائے، زکوٰۃ کی وصولی اور صرف کا انتظام کیا جائے، لیکن یہ تو وہ حقوق ہیں جو کبھی ہم نے اپنی اسلامی حکومتوں میں اپنے ہاں کے ذمیوں کو دیئے تھے، اور جو امریکہ، رومانیہ اور یوگوسلاویہ، بلکہ روسی ترکستان تک کی حکومتوں نے اپنی مسلمان رعایا کو دے رکھے ہیں ——

کیا ان باتوں سے کوئی نظام حکومت اسلامی نظام میں بدل جاتا ہے؟

جزئی مطالبات چھوڑ دیجئے | ہم تو وہ حکومت چاہتے ہیں جس کی ساری اسمبلیاں اور وزارتیں، نظام تعلیم اور نظام عدالت اور پورے کا پورا اجتماعی نظام اسلام کے سانچے میں ڈھل جائے۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ بیت المال

تو علماء کی تحویل میں رہے اور مالیات کا نظام غیر اسلامی ہاتھوں میں رہے۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ملک کا پورا خزانہ اسلامی بیت المال میں بدل جائے۔ لہٰذا براہ کرام آپ حضرات چھوٹی چھوٹی چیزیں نہ مانگیئے، ورنہ ایسی دو ایک چیزیں دے کر آپ کو مطمئن کر دیا جائیگا۔ پھر اگر آپ اس کے بعد کوئی جزئی مطالبات سامنے لائیں گے تو کہا جائیگا کہ یہ مُلّا لوگ نہایت نامعقول ہیں، ان کے مطالبات کبھی ختم نہ ہوں گے اور یہ ملک کی ترقی اور استحکام کے راستے میں خواہ مخواہ روڑے اٹکاتے رہیں گے۔ بس آپ اپنی ساری قوت اس بنیادی مطالبے کے منوانے پر صرف کیجئے جس کے اندر آپ کے سارے مطالبات مضمر ہیں۔

سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کو انتباہ ۔ اب میں کچھ باتیں اپنے ملک کے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں سے کہنا چاہتا ہوں۔ آپ حضرات نے ناجائز طریقوں سے جو سمیٹ رکھا ہے اسے تو اب بہرحال جانا ہے۔ سرمایہ پرستانہ طور طریقوں کا اب زمانہ نہیں رہا۔ اب روپے کی خدائی کا تخت متزلزل ہو رہا ہے۔ اب دوسروں کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھانے اور اسراف اور عیاشی کی زندگی کے لئے دوسروں کی کمائیوں میں سے سرمائے کے زور پر اپنے حق سے زائد وصول کرنے کو بہرحال ختم کیا جانا ہے۔ ان چیزوں کو ختم کرنے کے لئے آپ دو ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ کو پسند کر لیجئے۔ ایک ہاتھ وہ ہے جو آپ کے خود ساختہ حقوق اور اعزازات کے ساتھ خود آپ کو بھی مٹا دیگا اور دوسرا ہاتھ وہ ہے جو جب کبھی اُٹھیگا انتقام کے لئے نہیں، انصاف کے لئے اٹھے گا، اور وہ آپ سے صرف اتنا ہی چھینے گا جو آپ نے ناجائز طور پر سمیٹ رکھا ہے۔ اگر آپ نے انصاف کرنے والے خدا پرست ہاتھ کو پسند نہ کیا تو پھر یہاں دوسرا انتقامی ہاتھ بھی بہرحال دراز دستی کے لئے موجود ہے اور وہ اپنا کام کر کے رہے گا!

مزدوروں اور کسانوں سے اپیل ۔ اسی طرح میں اپنے ملک کے مزدوروں اور کسانوں سے بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ آدمی صرف روٹی کے لئے نہیں جیتا، آدمی کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز آدمیت ہے۔ اگر آپ کو کوئی ایسا نظام ملے جو آپ کے لئے روٹیوں کا تو انتظام کر دے، مگر آپ کی آدمیت کو ختم کر دے تو اسے ہرگز قبول نہ کیجئے۔ ایک نظام ایسا بھی موجود ہے جو آپ کو روٹی بھی دیتا ہے اور آپ کی آدمیت کا بھی انتظام کرتا ہے، وہ آپ کے مسئلے کو بھی حل کرتا ہے اور آپ کو روحانیت اور انسانیت کے مدارج بھی طے کراتا ہے۔

مسلم عوام سے خطاب ۔ اب میں مسلمان عوام سے چند باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ آپ کو سمجھنا چاہیئے کہ اسلام کیا ہے؟ اگر آپ اسلام کی حقیقت سے ناواقف رہے تو ہو سکتا ہے کہ اسلام کا نام لے کر آپ کو

کفر کی طرف دھکیل دیا جائے، شراب کی بوتل پر شربت کا لیبل لگا کر اسے آپ کے ہاتھ فروخت کیا جائے اور آپ اسے لپک کر لے لیں، یہاں ایک غیر اسلامی نظام قائم کر دیا جائے اور اس کے ساتھ کچھ نمائشی چیزیں اسلام کی شامل کر دی جائیں اور آپ ان نمائشی چیزوں سے دھوکا کھا کر مطمئن ہو جائیں کہ بس اب اسلامی نظام قائم ہو گیا۔

ہم نے اپنی ساری قوت اس مقصد پر لگا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے کہ ملک کے عوام میں صحیح اسلامی شعور بیدار ہو۔ ہم ان کو ہنگاموں اور جلوسوں اور جذباتی نعروں سے ایک کھوکھلے اشتعال میں مبتلا کرنے کا طریق کار صحیح نہیں سمجھتے اور نہ یہ چاہتے ہیں کہ وہ اندھے جذبات کی رو میں بہنے لگیں۔ بلکہ ہم ان کے اندر اسلام کے لئے جینے اور مرنے کا شعوری ولولہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر ہمارے ملک کی حکومت کے لئے ایک ایسا دستور بنا دیا جائے جو سو فیصدی اسلامی ہو، لیکن اس کی پشت پر اسلامی سوسائٹی نہ ہو تو وہ اسلامی دستور کوئی حقیقی نتیجہ نہیں دکھا سکتا اور نہ اس کے بل پر اسلامی نظام چل سکتا ہے۔ کوئی دستور کاغذ کے اوراق پر نہیں چلا کرتا، بلکہ اس کا چلنا اور اس کا کام کرنا اس بات پر موقوف ہوتا ہے کہ ملک کے عوام کی کتنی منظم طاقت اس کو چلانے کا عزم رکھتی ہے۔ اسی لئے ہم چاہتے ہیں کہ جو لوگ اسلام کو اپنے دین اور مسلک زندگی کے طور پر پسند کرتے ہیں وہ ہمارا ساتھ دیں اور دین کی خدمت کے لئے منظم ہوں۔

اب میں ان عذرات کو دور کرنے کی کوشش کروں گا جو وہ طبقہ جو اسلامی نظام کو پسند نہیں کرتا اور اس کے قیام کا مخالف ہے، ہمارے سامنے پیش کر رہا ہے۔

استحکام پاکستان کا عذر ہم سے کہا جاتا ہے کہ یہ تو نوزائیدہ حکومت ابھی ابھی بنی ہے اور جمی نہیں، اور سرحد پر چاروں طرف سے خطرہ ہے۔ بس اس وقت ساری طاقت پاکستان کو مضبوط کرنے میں صرف ہونی چاہیئے اور اسلامی حکومت کی بنیاد رکھنے کے کام کو ملتوی رکھنا چاہیئے۔

میں کہتا ہوں کہ پاکستان کو مضبوط کرنے کی کوشش کرنا ہر اس شخص کا فرض ہے جو اس میں رہتا ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ پاکستان کے لئے اصل خطرہ کہاں ہے؟ ---- اس کے اندر یا باہر؟ میں کہتا ہوں کہ اصل خطرہ باہر سے نہیں، بلکہ اندر سے ہے، اس لئے کہ اس کشتی کے ملاح دن رات اس میں چھید کرتے رہتے ہیں ان کی رشوت خوری اور اقربا پروریاں پاکستان کو مسلسل کمزور کر رہی ہیں۔ جن نازک حالات کا رونا یہ دن رات خود روتے ہیں، ان میں ان کی ایسی حرکات کو دیکھ دیکھ کر اکثر مسلمان یہ سوچنے لگتے ہیں کہ اگر

پاکستان میں بھی یہی کچھ ہوتا تھا تو ہم ہندوستان ہی میں کیا بُرے تھے؟ کتنے ہی مظلوم مہاجر یہ سوال کرتے پائے گئے ہیں کہ کیا پاکستان ان ہی مقاصد کے لئے بنایا گیا ہے؟ یہ چیزیں ہمارے عوام کا دل توڑنے والی اور ان کے جذبات کو سرد کرنے والی ہیں۔

پاکستان کو مضبوط بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ایک ایک نوجوان اور ایک ایک فوجی سپاہی کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ جب وہ لڑے گا تو کچھ محض زمین کے لئے نہیں، بلکہ خدا کے لئے لڑے گا اور اگر وہ جان دے گا تو قوم کے کچھ لیڈروں اور عہدیداروں کے لئے نہیں، بلکہ خدا کے دین کے لئے دیگا۔ اگر آپ اپنے ہر فوجی کو اس بات پر مطمئن کر دیں کہ تیری خدمات خدمتِ اسلام کے لئے حاصل کی گئی ہیں تو پھر دیکھئے کہ وہ کس جرأت اور دلیری سے لڑتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں اور اپنے سپاہیوں کے دلوں کو اطمینان دلانے کی اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہیں رکھتے کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کا صاف صاف دستوری اعلان کر دیں۔ پھر کون معقول آدمی اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے کہ جو چیز ہم پیش کر رہے ہیں وہ پاکستان کو مستحکم کرنے والی ہے اور ہمیں اس کے استحکام ہی کے لئے اس کو کامیاب بنانے کی ضرورت ہے۔

انتشار انگیز عصبیتیں۔ پاکستان کو مستحکم کرنے کے لئے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ مختلف عناصر اور مختلف صوبے متحد ہو کر ایک بنیان مرصوص بن جائیں۔ لیکن جن اصولوں پر ہم آج تک کام کرتے رہے ہیں اُن کا قدرتی نتیجہ یہ نمودار ہو رہا ہے کہ ہر گروہ جو مختلف مفاد رکھتا ہے، ایک جداگانہ عصبیت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یہ بے اصول جتھا بندی کرنے والی مغربی سیاست کے زہر کا اثر ہے کہ ایک پاکستان میں گویا پانچ قومیں بن گئی ہیں۔ سندھی، بلوچی، پنجابی، افغانی اور بنگالی! ان سب کو یکجا کر کے بنیان مرصوص صرف اسلام ہی کے ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔

پھر یہاں "انصار" اور "مہاجرین" کی باہمی کشمکش کے سبب سے ان کے درمیان الگ الگ نظام بن رہے ہیں اور دو الگ الگ سیاستیں ... ہو رہی ہیں۔ اور اگر حالات اسی رفتار پر رہے اور ان کا کوئی سدباب نہ کیا گیا تو یہ سنگینی پاکستان کے لئے ایک مستقل خطرہ بن کے موجود رہے گا۔ آپ اس واقعہ سے خطرہ کا اندازہ کیجئے کہ شرقی پنجاب سے آئی ہوئی ایک قوم کو جب مغربی پنجاب کی سرحد پر آباد کیا گیا تو وہاں کے مقامی ... لوگوں نے ... دے کر ان پر حملہ کر دیا۔ یہ تضاد و تناقض پاکستان کے لئے اسی وقت تک خطرہ ہے جب تک ان کے درمیان ... نظام کر رہے ہیں۔ اب ان کو ... سکتا ہے تو اسلامی نظام کی فضا ... اسلامی اصولوں کے ذریعہ ... جا سکتا ہے۔

مسئلہ مہاجرین کا واحد حل - اگر پاکستان حاصل ہونے سے پہلے ہمارے لیڈروں نے قوم کے اخلاق کی صحیح تعمیر اسلامی اصول پر کرلی ہوتی تو مہاجرین اور انصار کا مسئلہ حل کرنے میں ہمیں وہ مشکلات پیش نہ آتیں جو آج دن رات درپیش ہیں۔ قوم میں اسلامی حس بیدار ہوتی تو یہاں کے لوگ اپنے گھروں سے نکل کر مشرقی پنجاب کے مظلوموں کا استقبال کرتے، خود زمین پر سوتے اور اپنے بستر اور پلنگ آنے والوں کے حوالے کر دیتے۔ یہ مسئلہ کوئی آج ہی ہمارے سامنے نہیں آیا۔ اس سے پہلے بھی آچکا ہے۔ مدینہ کی چھوٹی سی بستی نے مکہ اور عرب کے مختلف قبائل کے مہاجرین کی ایک کثیر تعداد کو اس صبر و سکون سے جذب کیا کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی کہ اہل مدینہ کو کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہے، درآنحالیکہ اس زمانے میں تمدنی ذرائع و وسائل بہت ہی ابتدائی حالت میں تھے۔ وہاں بھی اس مسئلہ کو اسلامی اسپرٹ اور اسلامی اخلاق نے حل کیا تھا اور یہاں بھی اس گتھی کا واحد حل یہی ہے۔

اب یہ بات ہر شخص کے خود سوچنے کی ہے کہ پاکستان کو کمزور کرنے والی شے وہ ہے جسے ہم پیش کرتے ہیں یا وہ ہے جو اس کے خلاف کی جا رہی ہے؟

ہندوستان میں ہندو حکومت کے قیام کا خدشہ - دوسرا عذر یہ پیش کیا جاتا ہے کہ اگر یہاں اسلامی حکومت قائم کر دی گئی تو ہندوستان میں ہندو حکومت قائم ہو جائیگی۔ میں کہتا ہوں کہ کیا ہندوستان میں ہندو حکومت قائم نہیں ہو چکی؟ کاغذ پر کہا جا رہا ہے کہ انڈین یونین کی حکومت کا کوئی مذہب نہیں اور یہاں سب کو برابر کے حقوق حاصل ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہاں مسلمانوں کو زمین پر چلنے کے بھی حقوق حاصل نہیں ہیں اس لئے آپ وہاں کی فکر نہ کریں، وہاں تو جو کچھ ہونا تھا، ہو چکا۔ دوسری بات میں یہ کہتا ہوں کہ اب تک جو نقصان ہمیں پہنچا ہے وہ اسی لئے پہنچا ہے کہ ہم اسلام کا نام تو لیتے ہیں لیکن اسے اپنی زندگی کا دستور العمل نہیں بناتے۔ اگر یہاں ایک مرتبہ اسلامی نظام قائم ہو جائے جو بے لوث انصاف کے بل پر چلے اور یہاں کی حکومت وعدے کی کھری ہو، اور وہ اپنے طرز عمل سے ثابت کر دے کہ ہمارے تمام معاملات عدل و انصاف اور صداقت و دیانت پر مبنی ہوتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ نہ صرف ہندوستان کے مسلمانوں کی قسمت جاگ اٹھے بلکہ خود ہندوستان کی قسمت بھی بدل جائے۔ آخر پہلے یہ ہندوستان کے مسلمان کہاں سے آئے تھے۔ یہیں کے ہندو ہی تو مسلمان ہوئے تھے، تو پھر آج بھی اگر آپ دکھا دیں کہ اسلام سے ملک کا انتظام کیسا درست ہوتا ہے، معاشی اور معاشرتی نظام کتنے صالح ہو جاتے ہیں، پالیسی کتنی بے لاگ ہوتی ہے، تو ہندوستان کے لوگ سوچنے لگیں گے کہ آخر کیوں نہ ہم بھی اس نظام کو اختیار کر لیں۔ وہ

آپ کے دشمن تو ہو سکتے ہیں، مگر اپنے تو دشمن نہیں ہیں۔ یہی ایک صورت ہے جس سے ہماری آٹھ سو سالہ تاریخ جس پر خط نسخ پھر گیا ہے، از سر نو زندہ کی جا سکتی ہے۔

ہندو اقلیت کا عذر پھر یہ عذر کیا جاتا ہے کہ اسلام کی حکومت کو ہندو اقلیت کیسے گوارا کرے گی۔ یہ عذر بھی مہمل ہے۔ ابھی پچھلے دنوں سرحد اسمبلی میں کوٹو رام نے ایک ریزولیوشن پیش کیا ہے جس میں سرحد اسمبلی سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ دستور ساز اسمبلی کو صوبہ سرحد کے عوام کی اس خواہش سے آگاہ کرے کہ وہ پاکستان میں اس نظامِ حیات کو جلد از جلد نافذ کرانا چاہتے ہیں، جس کی بنیاد قرآن کے قوانین پر ہو۔ یہ نظام یقیناً دنیا کے لئے ایک قابلِ تقلید مثال ثابت ہوگا۔

چند ہی روز پہلے میرے پاس مدراس سے ایک خط آیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ "اسلام کا نظریہ سیاسی" اور "معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل" کو جو میرے دو رسالے ہیں، پڑھنے کے بعد ایک تعلیم یافتہ ہندو نے کہا کہ "ہم پر یہ چیز کبھی بھی واضح نہیں کی گئی کہ پاکستان میں اس طرح کا صالح نظامِ حیات قائم کیا جائیگا اگر مسٹر جناح اس چیز کی وضاحت فرما دیتے تو کوئی ذی فہم انسان اس کی مخالفت نہ کرتا"۔

غیر مسلم اقلیتوں سے اپیل تاہم مجھے معلوم ہے کہ ہمارے ملک کے بہت سے غیر مسلم حضرات اس سے گھبرا رہے ہیں کہ وہ ایک ایسی حکومت کے فرماں بردار کیسے ہو سکتے ہیں جو ایک مذہب کی پابند ہو۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ ہمارے غیر مسلم بھائی ایک چیز سے محض اسے نہ جاننے کی وجہ سے اختلاف کر رہے ہیں، حالانکہ یہ صحیح معنوں میں وہی چیز ہے، جسے گاندھی جی "رام راجیہ" کہتے تھے اور ہمارے عیسائی بھائی "آسمانی بادشاہت" کہتے ہیں۔ ہم اپنے ہندوستانی ہندو بھائیوں کے شکر گزار ہوں گے، اگر وہ حقیقی رام راجیہ قائم کر دیں، اس رام راجیہ میں بنیادی انسانی حقوق کی حفاظت موجودہ لادینی حکومت کی بہ نسبت زیادہ بہتر طریق سے ہوگی۔ میں اپنے غیر مسلم بھائیوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر یہاں اسلامی حکومت قائم ہوگی تو ان کے حقوق بالکل محفوظ ہونگے اور زمین پر بھی ان کو وہی حقوق دیے جائیں گے، جو کا غذ پر ہونگے۔ لیکن اگر یہاں جمہوریت کی لادینی حکومت قائم ہوئی تو یہ مسلمانوں کی "قومی حکومت" ہوگی جس میں اکثریت اپنی مرضی کے مطابق اپنے سارے قومی تعصبات کے ساتھ من مانی کارروائیاں کریگی۔ اسلامی حکومت کے قائم ہونے کی صورت میں جو حقوق اسلام میں آپ کے لئے مقرر ہیں مسلمانوں کو اور ان کی حکومت کو اس کا اختیار ہی نہیں رہے گا کہ وہ ان میں کمی بیشی کریں۔ یہاں کا مسلمان اپنے اخلاقی طرز عمل کو انڈین یونین کی اور دنیا کی کسی اور غیر مسلم قوم یا حکومت کے رویے کو دیکھ دیکھ کر نہیں بدلے گا، بلکہ اس کا طرز فکر یہ ہوگا کہ دوسری قومیں

اور حکومتیں اگر اپنے عہد کو توڑتی ہیں تو توڑیں، میں مسلمان ہو کر اپنے عہد کو کیسے توڑ سکتا ہوں۔

یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ گذشتہ فسادات میں اگر کسی نے یہاں غیر مسلموں کو ظلم سے بچانے کی کوئی بے غرضانہ کوشش کی ہے تو وہ دیندار لوگ ہی تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ہندوستان میں ان کے بھائیوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن پھر بھی ان کی خدا خوفی اور انسانی ہمدردی نے انہیں زیادتی اور ظلم سے نہ صرف باز رکھا، بلکہ انھوں نے حتی الامکان اپنے غیر مسلم ہمسایوں کو پناہ دی اور محفوظ مقامات تک پہنچایا اور اس کام میں اپنے جان اور مال کی ذرا پروا نہ کی۔ ہمارے پاس اپنے حلقے سے واقعات کا نہ صرف یہ کہ ریکارڈ ہے، بلکہ خود غیر مسلم حضرات کے متعدد اعترافی خطوط ہم تک پہنچے ہیں اور ہندوستان چلے جانے والے غیر مسلموں میں سے ہزاروں اس کی گواہی دیں گے۔

اسلامی حکومت کی گارنٹی ۔ اسلامی حکومت کی صورت میں یہاں جو گارنٹی دی جائیگی۔ وہ ہماری طرف سے نہیں، بلکہ خدا اور رسول کی طرف سے ہوگی۔ حضور کے الفاظ ہیں کہ جو ذمی سے عہد کر کے خلاف عہد کرے تو میں خود قیامت میں اس کے خلاف مدعی ہونگا اور وہ جنت کی بو بھی نہ سونگھ سکے گا۔ پھر حضور کی آخری وصیت میں جہاں نماز اور عورتوں کے حقوق کی تاکید تھی، وہاں ذمیوں کے حقوق کی ادائیگی کا بھی حکم تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ جب مسلمان فوج ایک جگہ سے پسپا ہونے پر مجبور ہوئی تو انہوں نے غیر مسلموں کو بلا کر ان کے ٹیکس واپس کر دئے کہ ہم نے یہ ٹیکس آپ کی حفاظت ذمہ داری کے معاوضے میں لئے تھے اور چونکہ اب ہم حفاظت کی ذمہ داری پوری کرنے سے قاصر ہیں، اس لئے اس رقم پر بھی اب ہمارا کوئی حق نہیں رہا جو تمہاری حفاظت کے لئے لی گئی تھی۔ میں غیر مسلم بھائیوں سے کہونگا کہ یہ نظام آپ کے لئے رحمت ہوگا، آپ اس کے قائم کرنے میں ہمارا ساتھ دیجئے اور ہمیں مدد پہنچائیے۔ اسلامی نظام میں آپ کے لئے جمہوریت کے مقابلے میں کتنی زیادہ برکات ہیں کہ اگر آپ کو ان کا اندازہ ہو تو آپ مغربی جمہوریت کی مخالفت اور اسلامی حکومت کے قیام کے لئے مسلمانوں سے بڑھ کر کوشش کریں۔ یاد رکھئے کہ اگر یہاں غیر اسلامی حکومت قائم ہوگئی تو آپ سر پکڑ کر رو دیں گے!

دنیا کی رائے عام کے بگڑ جانے کا ہول ۔ یہ شبہ بھی پیدا کیا جاتا ہے کہ اگر ہم نے مذہبی حکومت قائم کی تو دنیا کی رائے عام ہمارے متعلق خراب ہو جائیگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کی وجہ سے ہمیں اپنے اسلام پر شرمانا چاہئے۔ میں کہتا ہوں کہ ہمیں اسلام پر اتنا بھی ایمان نہیں جتنا ۱۹۱۷ء میں روس کے کمیونسٹ کو کمیونزم پر تھا۔ وہ لوگ جب جنگ سے نکلے تھے تو ان کی داخلی حالت نہایت شکستہ تھی، سارا نظام ملکی درہم برہم تھا، ملک چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا تھا، فوج شکستہ تھی، عوام اور ملک نہایت خستہ حال

تھی، اور یہ بھی واضح تھا کہ اشتراکی نظام کے قیام کے ساتھ ہی دنیا کی ساری سرمایہ دار طاقتیں اس کے خلاف ہو جائیں گی۔ لیکن ان ساری باتوں کے علی الرغم اس نے یہ نظام قائم کیا اور اب ہر سرمایہ دار طاقت اس سے لرزہ براندام ہے۔ ہمیں دوسروں کی طرف نہیں، اپنی طرف دیکھنا چاہیے کہ ہمارے مسلمان ہونے کا تقاضہ کیا ہے۔ ہمیں اس تقاضے کو پورا کرنا چاہیے۔ دنیا کی رائے عامہ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق خراب ہوئی ہی اس وجہ سے ہے کہ ہم نے اسلام کو میدان عمل سے باہر رکھ کر اپنے آپ کو مسلمان کی حیثیت سے روشناس کرایا ہے۔ چنانچہ اسلام بھی مشتبہ بن گیا اور مسلمان بھی۔ لیکن اب اگر ہم اسلام کو میدان عمل میں لاکر اسے پورا اقتدار دے دیں تو دنیا کی رائے عامہ مستقل طور پر اسلام کے بارے میں بھی درست ہو جائیگی اور ہم مسلمانوں کے بارے میں بھی۔ ہو سکتا ہے کہ لوگ ایک دو سال تک غلط فہمیوں میں مبتلا رہیں، لیکن دو چار سال کے بعد وہ ہمارے متعلق اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہوں گے اور یہ تسلیم کریں گے کہ یہ لوگ تو ہمارے رہنما بننے کے قابل ہیں، کیونکہ ان کے پاس وہ چیز ہے جس کی بنیاد پر ایک جہانی ریاست (World State) بن سکتی ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے تجربے کو دیکھ کر ان کے دل آپ کے سامنے جھکنے نہ شروع ہو جائیں۔

"ملاؤں کی حکومت" کا شبہ | ایک شبہ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اسلامی حکومت تو "ملاؤں" کی حکومت ہوگی جو بلا دنیا کے معاملات کو کیا جانیں۔ میں اس شبہ کے ظاہر کرنے والوں کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہم آپ کے اس "بادبان" سے بھی ہوا نکال چکے ہیں۔ پاکستان میں اب جو لوگ اسلامی نظام کے مطالبے کو لے کر اٹھے ہیں وہ ملا نہیں، آپ کی طرح دنیا کے معاملات کو بھی خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ قرآن و حدیث کو بھی! —— اسلامی حکومت کے مطالبے کو لے کر اٹھنے والے لوگ جدید فلسفہ و سیاست کو بھی آپ سے بہتر طور پر سمجھنے والے ہیں اور قرآن کے فلسفہ و سیاست سے بھی کورے نہیں ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ اسلامی حکومت اگر قائم ہوگی تو وہ اپنے چلانے کے لئے ایسے ہی آدمی طلب کرے گی جو موجودہ دور میں اسلامی اصول پر کام کر سکیں۔ ہمیں ملک کے باشندوں اور ریاست کے مندوبوں کو بتانا پڑیگا اور اس بارے میں ان کی ذہنی تربیت کرنی ہوگی کہ وہ اسلامی حکومت کے لئے کیسے آدمی فراہم کریں۔ اگر کہیں مندر کے انتظام کے لئے آدمی مطلوب ہوں تو لوگ ویسے ہی آدمی تلاش کر کے دیں گے۔ اور اگر مسجد کے انتظام کے لئے کارکن درکار ہوں تو ویسے ہی آدمی ان کے سامنے آئیں گے، اگر ایک بینک کا نظام چلانا ہو تو اس کی صلاحیت رکھنے والے آدمی چنے جائیں گے، اسی طرح اگر اسلامی حکومت کو چلانے کے لئے کارکنوں کی ضرورت ہوگی تو رائے عامہ اس کام کی صحیح صلاحیتیں رکھنے والوں کو چھانٹ کے آگے لانے لگے گی۔ یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ ہمارے ملک

میں اسلامی نظام کو چلا سکنے والے کارکنوں کا بالکل قحط ہے۔ ایسے آدمی موجود ہیں اور پبلک ہی کے اندر نہیں، بلکہ خود آپ کی حکومت کے موجودہ پرزوں میں اس معیار کا ایک بڑا طبقہ موجود ہے۔

غیر اسلامی نظام میں اسلامی قانون پھر یہ کہا جاتا ہے کہ کیوں نہ نظام تو غیر اسلامی رکھا جائے اور عدالتی قانون اسلام کا جاری کر دیا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ پھر کیوں نہ ایک سکھ کو مسجد کا امام بنا دیا جائے؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ریاست تو اپنے آپ کو لا مذہب کہے اور قانون وہ مذہب کا جاری کرے۔ مجھے اس رائے کے پیش کرنے والوں کی عقل پر رحم آتا ہے۔ ایک غیر اسلامی نظام کے سائے میں اسلامی قانون کا صحیح طور پر نشوونما پانا ممکن ہی نہیں ہے۔ اسلامی قانون کا قیام و اجرا نظام تعلیم اور معاشرتی ماحول کو اسلام کے مطابق ڈھالے بغیر ہرگز نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا۔ اسلام کا قانونی نظام اس کے معاشی اور معاشرتی نظاموں سے الگ ہو کر اور کسی دوسرے نظام کا جزبن کر نہ تو پروان چڑھ سکتا ہے اور نہ وہ برگ و بار لا سکتا ہے جو اس سے مطلوب ہیں۔ یہ چیز تو بالکل ایسی ہی ہوگی جیسے آم کی ایک ٹہنی کو کیکر کے تنے پر پیوند کر دیا جائے۔ اس صورت میں اس ٹہنی سے آم ملنا تو کجا، دیر تک اس کا سرسبز رہنا بھی مشکل ہے۔ یہ مہمل باتیں اچھے خاصے تعلیم یافتہ لوگ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں جو اس ملک کے نظام کو چلا رہے ہیں۔ سیدھی بات یہ ہے کہ آپ اگر اس ملک کو اسلام کے اصولوں پر چلانا چاہتے ہیں تو پھر اس کا دستور لازماً اسلامی ہونا چاہیے۔

ان عذرات کے علاوہ اگر کوئی اور عذر بھی ہوں تو ہم ان کو بھی سننا چاہتے ہیں اور ان کے جواب میں جو دلائل ہمارے پاس ہوں گے، ہم انہیں پیش کر کے ذہنوں کو صاف کرنے کی کوشش کریں گے کیونکہ ہماری خواہش یہ ہے کہ اس ملک کی رائے عام کو پوری طرح مطمئن کریں اور عوام الناس خوب اچھی طرح جان لیں کہ ان کی فلاح اسی شے میں ہے کہ ان کے ملک میں اسلامی نظام قائم ہو۔

عذراتِ لنگ لیکن ہر وہ شخص جو اس معاملے میں کچھ بھی بصیرت رکھتا ہے، اس نے ان عذرات کی نوعیت سے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ یہ سارے عذرات عذراتِ لنگ کی حیثیت رکھتے ہیں جو یا تو اس لئے پیش کئے جاتے ہیں کہ جو ٹیم اس وقت کھیل کھیل رہی ہے وہ اس کھیل کے سوا دوسرے کھیل کو جانتی ہی نہیں اور اسے اندیشہ ہے کہ اگر دوسرا کھیل کھیلنا پڑا تو میدان چھوڑنا ہوگا، یا پھر وہ دانستہ دوسرا کھیل کھیلنے سے اپنے دنیوی مفاد کے لئے گریز کر رہی ہے ـــ اگر واقعتہً یہ موجودہ ٹیم اسلام کا کھیل کھیلنا جانتی نہیں ہے تو وہ میدان سے ہٹے، دوسری ٹیم اسے کھیلنے کے لئے میدان میں آجائیگی۔

آپ حضرات سے آخری گذارش یہ ہے کہ اگر آپ کے دل اسلامی نظام کے مطالبے پر مطمئن ہوں تو پھر اس کو باقاعدہ طور پر اپنا قومی مطالبہ بنائیے اور اس کے پلڑے میں اپنا پورا وزن ڈالئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

آزادی کے اسلامی تقاضے

۲۰ جنوری ۱۹۴۸ء سے لے کر ۹ فروری ۱۹۴۸ء تک راولپنڈی کمشنری کے اضلاع جہلم، گجرات، سرگودھا، اور میانوالی کے ضلعی اجتماعات منعقد ہوئے۔ ان اجتماعات میں مرکز کی طرف سے میں اور رفیق محترم جناب غازی محمد عبدالجبار صاحب شریک ہوئے۔ جماعت کے کاموں کا جائزہ لینے اور ارکان کو مناسب وقت ہدایات دینے کے علاوہ ہر مقام پر، ہر طبقہ کے اشخاص سے تبادلہ خیالات اور عام مسلمانوں کے اجتماعات میں لوگوں کو خطاب کرنے کے مواقع بھی ملے۔ خطاب عام کی تقریروں کے ضروری حصے مولوی فتح محمد صاحب قیم حلقہ راولپنڈی نے نوٹ کر لئے تھے۔ ان کی یادداشت کی مدد سے تقریر کے مختلف اجزاء کو ایک سلسلے میں مربوط کر دیا گیا ہے۔ مختلف مقامات کی مقامی اور وقتی ضروریات کے لحاظ سے تقریروں کے مطالب میں تھوڑا بہت اختلاف بھی ہوا۔ لیکن ہر جگہ قدر مشترک ایک ہی رہا، اس لئے تمام ضروری مطالب ایک ہی تقریر میں جمع کر دئے گئے ہیں۔ ہر تقریر کو الگ الگ قلمبند کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

امین احسن اصلاحی

خطبہ مسنونہ کے بعد :-

بھائیو اور عزیزو!

آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے کل اور آج میں بڑا فرق پیدا ہو چکا ہے۔ آپ کل تک اس ملک میں غلام تھے، آج آزاد ہیں۔ کل تک محکوم تھے، آج حاکم ہیں۔ کل تک آپ کا ارادہ دوسروں کے ارادہ کا تابع اور آپ کا اختیار دوسروں کے اختیار و اذن کا دست نگر تھا، لیکن آج آپ اپنی مرضی کے مالک اور اپنے ارادہ کے بادشاہ ہیں۔ آپ کی سرزمین اب اپنی ہے۔ اس کے وسائل و ذرائع اپنے ہیں۔ آپ کو اس کے نظم و نسق کا پورا حق حاصل ہے اور کوئی نہیں ہے جو آپ کے اس حق میں مزاحمت کر سکے۔ آپ

اب اس کے بنانے اور بگاڑنے کے مختار ہیں اور کوئی نہیں ہے جو آپ کا ہاتھ پکڑ سکے۔ غور کیجئے اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے جو آپ کو حاصل ہوئی ہے! اور پروردگار عالم کا یہ کتنا بڑا فضل ہے جو اس نے آپ پر فرمایا ہے! آزادی اللہ تعالیٰ کی بہترین نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے جس سے اس نے آپ کو سرفراز فرمایا، اور غلامی دنیا کی بدترین ذلتوں میں سے ایک بہت بڑی ذلت ہے جس سے اس نے آپ کو نجات دی۔ اللہ تعالیٰ کی اسی بڑی نعمت پانے کے بعد ہمارا فرض ہے کہ ہم پہلے اس آزادی کے حقیقی مفہوم اور اس کے مقتضیات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور پھر پختہ عزم کے ساتھ اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔

آزادی اور غلامی کا اسلامی اور غیر اسلامی مفہوم حضرات! اس چیز پر غور کرنے کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ دنیا کے بہت سے الفاظ اور اصطلاحات کی طرح آزادی اور غلامی کی اصطلاحات کا مفہوم بھی ہمارے اسلامی لغت میں اس مفہوم سے بہت کچھ مختلف ہے جو دنیا کی دوسری قومیں ان الفاظ سے سمجھتی ہیں۔ دنیا کی دوسری قوموں کے نزدیک تو غلامی کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی قوم کسی دوسری قوم کے ارادہ واختیار، اس کے ملک ووطن اور اس کے وسائل و ذرائع پر قابض ہو جائے اور اس کی خواہشوں کے خلاف ان ساری چیزوں کو اپنے اغراض کے لئے استعمال کرے۔ اسی طرح ان کے نزدیک آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی قوم اس قسم کے اجنبی تسلط سے نجات حاصل کر کے اپنے وسائل و ذرائع پر اپنے حسب منشا تصرف کر سکے اور اپنے معیارات کے مطابق اپنی انفرادی و اجتماعی زندگیوں کو ڈھال سکے۔ لیکن مسلمانوں کے نزدیک (بشرطیکہ وہ اسلامی نقطۂ نظر سے غور کریں) آزادی اور غلامی کا مفہوم اس سے بہت کچھ مختلف ہے۔ مسلمان کے نزدیک غلامی کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی اللہ کے سوا کسی اور کی حاکمیت اور اس کی بندگی اور اس کی اطاعت کو تسلیم کرے، خواہ وہ غیر کوئی اور شخص اور کوئی اور قوم ہو یا خود اس کا اپنا ہی نفس اور اس کی اپنی قوم ہو۔ اسی طرح آزادی کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی اللہ کے سوا ہر اطاعت و بندگی سے آزاد ہو جائے یہاں تک کہ خود اپنے نفس اور اپنی خواہشوں اور اپنی قوم کی حاکمیت و اطاعت کا کوئی پھندا بھی اس کے گلے میں باقی نہ رہے۔ آزادی اور غلامی

کی تعریف میں اسلامی اور غیر اسلامی نقطۂ نظر کا یہ اختلاف کوئی معمولی اختلاف نہیں ہے بلکہ بنیادی اور جوہری اختلاف ہے۔ اس اختلاف کا اگر آپ ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنا چاہیں تو اس طرح اندازہ کر سکتے ہیں کہ ۱۵ راگست کے بعد انڈین یونین کے غیر مسلم تو اپنے تصور آزادی کے لحاظ سے آزادی کی منزل مقصود تک پہنچ گئے ہیں کیونکہ ان کے جان و مال اور ارادہ و اختیار پر انگریزوں کو جو تصرف حاصل تھا وہ ختم ہو گیا اور وہ اپنے ملک کے حکمراں اب خود بن گئے۔ باقی رہے پاکستان کے مسلمان تو ان کی آزادی کے لئے تنہا یہ بات کافی نہیں ہو سکتی کہ انگریز یہاں سے چلے گئے، بلکہ ان کے تصور آزادی کے لحاظ سے یہ بات بھی ضروری ہے کہ غیر الٰہی حاکمیت واطاعت کے ہر پھندے سے ان کی گردن آزاد ہو۔ خواہ وہ پھندا دوسروں نے بالجبر ان کی گردن میں ڈالا ہو یا وہ خود اپنی پسند سے کوئی پھندا تیار کریں اور اس کو خود اپنے شوق سے زیور کی طرح پہن لیں۔ اگر انگریز چلے گئے اور ان کی جگہ ہم نے خود لے لی اور اللہ کے قانون کے بجائے خود قانون بنانے اور چلانے لگے تو یہ یا تو غلامی ہی کی ایک نئی شکل ہوگی یا اس کو صحیح تر الفاظ میں بغاوت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس کو اسلامی تصور کے لحاظ سے آزادی نہیں کہہ سکتے ؎

ہر چند کہ سبکدست ہوئے بت شکنی میں ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اور

آزادی اور غلامی کے مفہوم میں اسلامی اور غیر اسلامی نقطۂ نظر کا یہ اختلاف بڑے دور رس نتائج رکھتا ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے لازمی طور پر آزادی حاصل کرنے کے بعد ایک غیر مسلم معاشرہ اس آزادی کو اس سے بالکل مختلف طریقوں پر برتتا ہے جس طرح ایک مسلم معاشرہ اس کو برتتا ہے۔ ایک غیر مسلم معاشرہ کسی اجنبی اقتدار سے آزادی . . . حاصل کرنے کے بعد اپنا حق سمجھتا ہے کہ اس آزادی کو آزادانہ استعمال کرے، اپنے وسائل و ذرائع پر اپنے منشا کے مطابق خود تصرف کرے۔ اپنے لئے خود قانون بنائے، اپنی پسند و ناپسند کے لئے خود کوئی معیار ٹھہرائے، اپنے ذوق اور پسند کے مطابق اپنی تہذیب کو جو رنگ چاہے دے۔ اپنے سیاسی و اجتماعی مسائل کو جس ڈھنگ پر چاہے حل کرے۔ لیکن ایک مسلمان کے نزدیک آزادی

کے معنی غیر اللہ کی حاکمیت اور اس کی بندگی سے آزادی ہے نہ کہ خود اللہ کی حاکمیت اور بندگی سے آزادی۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی غلامی کا تعلق ہے یہ پیدائشی طور پر ہر انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے، اور سچا مسلمان اس امر واقعی کو تسلیم کرتا ہے، اس وجہ سے وہ اس بات کو جائز نہیں سمجھتا کہ آزادی حاصل ہونے کے بعد وہ خدا سے بھی آزاد ہو جائے اگر وہ ایسا کرے تو قرآن میں اس کو ظلم، فساد اور بغاوت کہا گیا ہے، اور یہ چیز اسلامی شریعت میں غلامی سے بھی زیادہ بری ہے۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد ایک مسلم معاشرہ کا حق یہ ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنی اس آزادی کو خدا کے قانون کے تابع کر دے۔ اور اس کے مقرر کیے ہوئے حدود کے اندر اس آزادی کو استعمال کرے۔ غیر الٰہی حاکمیت سے آزاد ہو کر اللہ وحدہٗ لاشریک کا غلام اور محکوم بن جائے اور اپنے ترک و اختیار، رد و قبول اور پسند و ناپسند کے لئے اس شریعت کو معیار بنائے جو اللہ اور اس کے رسول نے دی ہے۔ اس وفاداری میں اس نعمت آزادی کی حقیقی قدر پوشیدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ اس کی کسی نعمت سے مستقل طور پر فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو اس کی صحیح قدر کرتے ہیں۔ اگر کوئی قوم کسی نعمت کو پاکر اس کا حق ادا نہیں کرتی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو جانچنے کے لئے تھوڑی سی مہلت ضرور ملتی ہے لیکن بالآخر وہ نعمت اس سے چھین لی جاتی ہے۔ ان ہی دونوں راستوں میں سے کوئی ایک راستہ آپ کو بھی اختیار کرنا ہے، اور آپ کے مسلمان ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ آپ دوسرا راستہ اختیار کریں، اب آپ پر کوئی غیر الٰہی اقتدار بالجبر مسلط نہیں ہو رہا ہے۔ آپ اپنی انفرادی زندگیوں میں خدا کی بندگی کر سکتے ہیں اور اپنی اجتماعی زندگی میں بھی خدا کی بندگی کر سکتے ہیں۔ اب آپ کے افراد بھی مومن و مسلم رہ سکتے ہیں اور آپ کی حکومت بھی مومن و مسلم بن سکتی ہے۔ اور آزادی کی نعمت دے کر یہی بات ہے جو اللہ نے آپ سے چاہی ہے۔ اگر آپ نے یہ بات پوری کر دی تو اس نعمت آزادی کی آپ حقیقی قدر کریں گے اور اللہ تعالیٰ آپ سے خوش ہوگا اور آپ کو اس منصب خلافت کی عزت بخشیگا جو اس نے ہمیشہ اپنے صالح بندوں کو بخشی ہے، لیکن اگر آپ نے اس کی خلاف ورزی کی اور باغیوں اور مفسدوں کی طرح اس آزادی کو پاکر خدا کے ملک میں اپنی بادشاہی

اور اپنی خدائی چلانے کے گھمنڈ میں مبتلا ہو گئے تو آپ کو امتحان اور جانچ کے لئے خدا کی طرف سے تھوڑی سی مہلت ضرور نصیب ہو گی، مگر اندیشہ ہے کہ اس مہلت کے گذر جانے کے بعد خدا نہ خواستہ یہ آزادی اسی طرح چھین لی جائے گی جس طرح کچھ دنوں پہلے دلی کا تخت و تاج چھین لیا گیا تھا۔

پاکستان کا مفہوم اور اس کے تقاضے | حضرات! اس آزادی کے ثمرہ اور نتیجہ کے طور پر جو چیز آپ کو حاصل ہوئی ہے وہ پاکستان ہے۔ اس وجہ سے میں نے جس اسلامی نقطۂ نظر سے آزادی اور غلامی کے مفہوم اور اس کے مقتضیات پر گفتگو کی ہے اسی نقطۂ نظر سے پاکستان، اس کے مفہوم اور اس کے مقتضیات پر چند حروف عرض کروں گا۔ یہ حقیقت آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس خطۂ زمین کا نام جو پاکستان رکھا گیا ہے، یہ نہ تو کوئی اتفاقی اور جغرافی نام ہے اور نہ یہ کوئی قومی نام ہے اس ملک کا نام پاکستان اس لئے نہیں رکھا گیا کہ اس کا یہی نام پہلے سے تھا اس وجہ سے آزادی کے بعد بھی یہی نام اختیار کر لیا گیا۔ علیٰ ہذا القیاس یہ نام اس وجہ سے بھی نہیں رکھا گیا کہ یہاں "پاک" نام کی کوئی قوم بستی رہی ہو اور اس کی نسبت سے ہندوستان، افغانستان یا انگلستان کی طرح اس کو پاکستان کا نام دے دیا گیا ہو۔ بلکہ اس کا نام پاکستان اس آئیڈیالوجی کی وجہ سے رکھا گیا ہے جو پاکستان کی تحریک کے آغاز سے اس کی تکمیل کے وقت تک برابر اس کی پشت پر کام کرتی رہی ہے۔ اور جس نے پاکستان کے لئے محرک کا کام بھی دیا ہے اور دلیل کا بھی۔ یہ آئیڈیالوجی کیا ہے؟ یہ آئیڈیالوجی اس عقیدہ اور تصور سے عبارت ہے کہ آپ خدا اور اس کی توحید اور اس کے دین سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ خدا کی توحید کا یہ لازمی نتیجہ سمجھتے ہیں کہ اسی کو حکمراں اور قانون ساز مانیں، اس وجہ سے آپ یہ بجا طور پر محسوس کرتے ہیں کہ آپ ایک ایسے مشترک ہندوستان میں اپنے دینی تصورات کے مطابق زندگی بسر نہیں کر سکتے جس میں حکومت کی بنیاد حکمرانیٔ جمہور کے اصول پر رکھی گئی ہو۔ اسی طرح آپ دین کو صرف پرائیویٹ زندگی تک محدود نہیں مانتے بلکہ اس کو انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر گوشہ پر حاوی مانتے ہیں، اسی وجہ سے

کوئی ایسا نظام زندگی قبول کرتا آپ کے تصور دین کے منافی تھا جس میں دین کو ایک لادینی نظام کے تحت صرف پرائیویٹ زندگی تک محدود کر دیا گیا ہو علیٰ ہذا القیاس آپ جس نظریۂ سلطنت کے معتقد ہیں وہ یہ ہے کہ "خدا کی حکومت، خلق کے لئے صالحین کے ذریعے سے"، اس وجہ سے آپ کے لئے ناممکن تھا کہ آپ عہد حاضر کے اس مقبول عام سیاسی نظریہ پر ایمان لائیں کہ "عوام کی حکومت عوام کے لئے، عوام کے ہاتھوں"! آپ کے اور ہندوستان کی دوسری قوموں کے تصور کا دراصل یہی اختلاف تھا جس نے آپ کو پاکستان کے مطالبہ پر مجبور کیا تھا تاکہ آپ ایک علیحدہ خطۂ زمین میں خالص اپنے تصورات اور عقائد کے مطابق ایک نظام زندگی بنا سکیں، اور اس کے تحت صحیح اسلامی زندگی بسر کر سکیں۔ یہ تصور تمام تر آپ کے دینی معتقدات پر مبنی تھا اس وجہ سے نہ تو آپ سے انحراف ممکن تھا اور نہ آپ کے حریفوں کے لئے اس کا انکار ممکن ہو سکا۔ اسی وجہ سے اس چیز نے آپ کی تحریک کے لئے محرک کا بھی کام دیا اور آپ کے دعوے اور مطالبے کے لئے دلیل اور ثبوت کا بھی کام دیا۔ اسی کے نام پر آپ نے اپنی قوم کو پکارا اور پوری قوم آپ کی پکار پر جمع ہو گئی، اسی چیز کو آپ نے دنیا کے سامنے بطور دلیل کے رکھا اور دنیا کی رائے عام کو آپ کے مطالبہ کے آگے جھکنا پڑا۔ اگر آپ نے اس آئیڈیالوجی کے نام پر لوگوں کو نہ پکارا ہوتا تو مجھے امید نہیں کہ آپ راس کماری سے لے کر کشمیر تک اور پشاور سے لے کر کلکتہ تک اپنی حمایت میں کوئی ہلچل پیدا کر سکتے۔ اگر آپ نے اپنے مطالبہ کی تائید میں اللہ کا، اس کے رسول کا، اس کی کتاب کا اور اسلامی شریعت کے اٹل تقاضوں کا حوالہ نہ دیا ہوتا تو ہرگز اس کی توقع نہیں تھی کہ وہ کروڑوں مسلمان بھی آپ کے اس مطالبہ کی حمایت میں سر دھڑ کی بازی لگا دیتے جو اس بات سے ناواقف نہ تھے کہ پاکستان کی تعمیر کے بعد بھی ان کی قسمت ہندوستان کے ساتھ ہی وابستہ رہے گی اور ان کا یہ مطالبہ ان کے لئے ہزار ہا خطرات کے دروازے کھول دے گا۔

بہرحال یہ ایک قطعی حقیقت ہے کہ پاکستان کا نام جب سے بھی آپ کی زبانوں پر آیا ہے اس آئیڈیالوجی کے ساتھ ہی آیا ہے۔ اگر تقریر کے طویل ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں تفصیل کے ساتھ

بتاتا کہ آپ کی سیاسی تاریخ کب سے اس لفظ سے آشنا ہوئی اور کن محرکات کے تحت اس تصور کا وجود ہوا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح کی کسی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ آپ میں سے ہر شخص خود اس تفصیل سے اچھی طرح واقف ہے۔ آپ میں سے جن لوگوں نے پاکستان کی تعمیر میں کسی نوعیت سے کوئی حصہ لیا ہے، انھوں نے اس حقیقت کا بارہا اسی قوم کے سامنے اعلان و اقرار بھی کیا ہے، اس وجہ سے ضروری ہے کہ آپ پاکستان حاصل ہو جانے کے بعد پاکستان کے مقتضیات کو پورا کریں اور اس کی تکمیل کے آئندہ مراحل میں اس تصور سے غافل نہ رہیں جس کے نام پر آپ نے اس کو حاصل کیا ہے نیز اپنے ان وعدوں اور اعلانات کو بھی فراموش نہ کریں جن کو آپ نے اپنی قوم کے سامنے بار بار دہرایا ہے اور خلق اور خدا کو ان پر گواہ ٹھیرایا ہے۔

حضرات! آپ کی ذمہ داریاں لفظ پاکستان سے بھی واضح ہو رہی ہیں۔ پاکستان کے معنی ہیں پاکوں کی سرزمین۔

آپ اچھی طرح واقف ہیں کہ پاکوں کی قومیت نسل و قوم، ملک و وطن اور روایات تہذیب و معاشرت کے سرسری اشتراک سے نہیں بنا کرتی، بلکہ عقائد و افکار اور اعمال و اخلاق کی کامل وحدت سے بنتی ہے۔ ہندوستان کے برہمن اور فلسطین کے یہودی کسی زمانہ میں نسلی و نسبی پاکی کے خبط میں مبتلا تھے اور محض بزرگوں یا دیوتاؤں کی اولاد ہونے یا خیال کرنے کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو بھی پاک سمجھتے تھے اور اس سرزمین کو بھی پاک خیال کرنے لگے تھے جس میں وہ آباد تھے۔ لیکن جب مسلمانوں کا ظہور ہوا، وہ ان ملکوں پر غالب آئے تو انھوں نے یہودیوں اور برہمنوں کی ان غلط فہمیوں کو رفع کیا اور ان کو بتایا کہ کوئی قوم نسب اور خون کی وجہ سے پاک نہیں ہوا کرتی، بلکہ ایمان اور عمل صالح سے پاک ہوتی ہے۔ جو مسلمان اس طرح کی نخوت جاہلیت مٹانے والے بن کے رہے ہیں وہ دنیا پر اور خود اپنے اوپر بڑا ظلم کریں گے، اگر اسی طرح کے کسی جاہلی فتنہ میں خود مبتلا ہو جائیں۔ اسی وجہ سے میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ پاکی اور ناپاکی کی حقیقت پر اسلامی نقطۂ نظر سے غور کریں تاکہ اس خطۂ زمین کو آپ نے پاکستان کا نام دیا ہے وہ فی الحقیقت پاکستان بن سکے۔

یہ نام آپ کے قومی احساس برتری کا محض ایک نشان بن کر نہ رہ جائے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے آپ کو رسوا کرائے۔ اسلام میں جیسا کہ میں نے عرض کیا کوئی شخص نہ تو نسل ونسب سے پاک ہوتا ہے اور نہ کسی خاص گروہ کی طرف انتساب کی وجہ سے، نہ کسی خاص سرزمین کا باشندہ ہونے کی وجہ سے، نہ اُجلے کپڑے پہن لینے کی وجہ سے بلکہ ان تمام باتوں پر اعتقاد رکھنے اور عمل کرنے کی وجہ سے پاک ہوتا ہے جن کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی اونچا نسب رکھتا ہو، کتنی برتر قوم کی طرف انتساب کا مدعی ہو اور ہر صبح کو کتنا ہی صابون اور خوشبو اپنے جسم پر لپیٹتا ہو لیکن پاکی اور پاکیزگی کی اس کو ہوا تک بھی نہیں لگ سکتی، جب تک وہ ایمان وعمل صالح سے اپنے آپ کو نہ سنوارے۔ علیٰ ہذا القیاس اسلام میں کوئی خطۂ زمین بھی پاکستان کے باعزت نام کا مستحق نہیں ہو سکتا خواہ اس میں دنیا کی کوئی قوم بھی بس رہی ہو، جب تک اس خطۂ زمین پر خدا کا قانون جاری ونافذ نہ ہو۔

پاکستان کے لئے عظیم قربانی کا مقصد! اس ملک کے لیڈروں کا فرض ہے کہ وہ ان ساری باتوں کو یاد رکھیں اور ان کو پورا کریں۔ اگر انھوں نے ان باتوں کی خلاف ورزی کی تو نہ صرف یہ کہ پاکستان کی ساری جدوجہد کا مقصد فوت ہو جائے گا اور یہ لوگ خلق اور خدا کے آگے جھوٹے ثابت ہوں گے بلکہ یہ ایک ایسا حادثہ ہوگا جو پوری قوم کی کمرہمت توڑ دے گا۔ جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ پاکستان بغیر کسی بڑی قربانی کے محض سیاسی تدبیر وتدبر کے زور سے حاصل ہو گیا ہے، واقعات نے ان کے اس خیال کی تردید کر دی ہے۔ اب تو بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو بھاری قیمت مسلمانوں کو پاکستان کے لئے ادا کرنی پڑی ہے اتنی بھاری قیمت دنیا کی کسی قوم نے بھی اپنی آزادی کے لئے ادا نہیں کی ہے۔ مشرقی پنجاب اور دلی کے لاکھوں مسلمانوں کی خانماں بربادی کو بھول جائیے، ہزاروں عورتوں کی بے عصمتی اور ذلت کو بھی نظر انداز کر دیجئے، لاکھوں بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور نوجوانوں کے قتلِ عام کو بھی شمار میں نہ لائیے اور ان واقعات سے بھی قطع نظر کیجئے جو ہندوستان کے دوسرے حصوں میں پیش آئے ہیں، صرف اس امر پر غور کیجئے کہ ہندوستان کے کئی کروڑ مسلمان جو آج اپنے وطن میں

خوف اور بے اطمینانی کی وہ زندگی گذارنے پر مجبور کر دئیے ہیں جس کا تصور وہ کسی دشمن کے ملک میں بھی مشکل سے کر سکتے تھے، آخر کس جرم کی پاداش میں یہ سزا بھگت رہے ہیں؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ یہ محض اس جرم کی مناسبت کہ انھوں نے پاکستان کے مطالبہ میں آپ کا ساتھ دیا اور یہ کہہ کر ساتھ دیا کہ اس مقصد عزیز کی خاطر وہ اپنے سیاسی مستقبل کو خطرہ میں ڈالنے اور صاف لفظوں میں اپنے تئیں قربانی کا بکرا بنانے کے لئے تیار ہیں؟ اگر محض سیاسی مشیخت جتانے کی خاطر اس حقیقت کی تاویل کی خواہش آپ کے اندر پیدا نہ ہو تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ یہ سب پاکستان کے لئے کیا گیا ہے۔ یہی چیز ہے جس کی خاطر مشرقی پنجاب اور دہلی کے مسلمانوں نے بھی تباہی کو دعوت دی اور اسی چیز کی خاطر ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں نے بھی اپنے آپ کو خطرات میں ڈال دیا، اس وجہ سے یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ پاکستان محض گردش قلم کا ایک کرشمہ یا سیاسی تدبر کا ایک شعبدہ ہے۔ جو لوگ ایسا خیال کرتے ہیں اگر وہ واقعات سے بے خبر ہیں تو ان کی بے خبری پر افسوس ہے اور اگر وہ اس قوم کی قدر و قیمت سے ناواقف ہیں جس کو انہوں نے اس راہ میں قربان کیا ہے تو ان کی یہ ناقدری قابل ماتم ہے۔ پاکستان کے لئے آپ کو ایک تہائی سے زیادہ بلکہ کم و بیش نصف آبادی کو قربان کرنا پڑا ہے اور یہ اتنی بڑی قربانی ہے جس کی مثال دنیا کی کسی قوم کی تاریخ آزادی بھی پیش نہیں کر سکتی۔

غور کیجئے، اتنی بڑی قربانی آپ کی قوم نے کس مقصد کے لئے دی ہے؟ کیا محض اس لئے کہ اس ملک میں ایک چھوٹی سی ریاست مسلمانوں کی بھی قائم ہو جائے؟ اس طرح کی ریاست جس طرح افغانستان میں افغانیوں کی، ایران میں ایرانیوں کی، اور ٹرکی میں ترکوں کی ہے۔ اگر فی الواقع یہی چیز پیش نظر تھی تو میں عرض کروں گا کہ بڑی ہی حقیر چیز کے لئے مسلمان قوم نے اپنی بہت بڑی چیز قربان کی اور یہ ساری قربانی خسر الدنیا والآخرۃ کی مصداق ہے اس طرح کی ریاست سے ان کروڑوں مسلمانوں کو دنیا میں کیا فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے جن کے جان و مال [illegible] قیام کی جدوجہد میں حصہ لینے ہی کی وجہ سے ہندوستان میں مباح کر دیا گیا۔ اور کس کو خدا کے یہاں وہ اپنی ان کوششوں پر کس اجر کے متوقع ہو سکتے ہیں جب کہ ان کی ساری محنت [illegible]

ریاست کے قیام پر صرف ہوئی ہو جو دنیا کی قومی ریاستوں میں سے ایک ریاست ہو اور جس نے اپنے قیام کی جدوجہد میں دین کے نام سے تو فائدہ اٹھالیا ہو لیکن قیام کے بعد دین کے کسی کام آنے کی اس سے توقع نہ ہو؟ اس طرح کی ریاست پر ممکن ہے کہ پاکستان کا کھاتا پیتا مسلمان راضی ہو جائے، کیونکہ بہرحال دنیا کا فائدہ اس کے تحت ایک حد تک اس کو حاصل رہے گا، لیکن وہ کروڑوں مسلمان اس چیز پر قانع کیسے ہو سکتے ہیں جنھوں نے اس کے عشق میں کھو تو سب کچھ دیا ہے مگر پایا کچھ بھی نہیں ہے۔ ان کو تو اگر کوئی چیز تسلی دے سکتی ہے تو صرف ایک ہی چیز تسلی دے سکتی ہے، وہ یہ کہ ان کو اطمینان ہو کہ جس خدا اور رسول کے نام پر ان کو قیام پاکستان کی جدوجہد میں حصہ لینے کی دعوت دی گئی تھی، اور جس کی تعمیل میں انہوں نے سب کچھ کھو دیا ہے، وہ فی الحقیقت اسی خدا اور اسی کے دین کا کام ہے۔ یہ نہ خیال کیجئے کہ محض لفاظی کے زور سے مسلمانوں کی اس جدوجہد کو خواہ مخواہ ایک دینی رنگ دے رہا ہوں، ورنہ مسلمان محض اپنا ایک قومی اسٹیٹ چاہتے تھے جو پاکستان کی صورت میں انھیں مل گیا۔ ممکن ہے کچھ ہوشیار قسم کے لوگ فی الحقیقت ایک قومی حکومت ہی چاہتے رہے ہوں اور دین کا نام وہ محض ظاہرداری ہی لیتے رہے ہوں، لیکن اس قسم کے تھوڑے سے چالاک لوگوں کے پردے میں ان کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کا خون کرنا جائز نہ ہوگا جو فی الحقیقت خدا کے دین کی خدمت ہی کے لئے اس جدوجہد میں شریک ہوئے تھے اور اب تک وہ اپنی ساری تباہیوں پر اس خیال سے مطمئن ہیں کہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے کیا ہے۔ اس گروہ میں ہندوستان اور پاکستان کے کروڑوں عامۃ الناس کے ساتھ ان دونوں ملکوں کے ہزاروں اور لاکھوں علماء، اور مشائخ اور دوسرے اہل علم بھی ہیں، جن کو دین کے سوا دنیا کی کوئی اور دوسری چیز کبھی بھی اپیل نہیں کر سکتی تھی۔ اگر خدا نخواستہ ان لوگوں کا منشا پورا نہ ہوا اور آپ نے ان کے جذبات سے بے پرواہ ہو کر ایک لادینی قسم کی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی تو یہ لوگ اپنی بدبختی پر سر پیٹ لیں گے اور اس کا اثر ان کے ذہن و دماغ اور ان کے عزم و حوصلہ پر اتنا برا پڑے گا کہ آپ کی پوری قوم بالکل بے جان ہو کر

رہ جائے گی اور تحریک خلافت کی ہماہمی کے بعد ترکوں کے خلافت کو ختم کردینے سے ہماری قوم کے اعصاب پر جو اثر پڑا تھا اس سے ہزار درجہ اس حادثہ کا اثر قوی ہوگا، بلکہ اندیشہ ہے کہ شاید اس حادثہ کے بعد اس کا سنبھالنا ممکن ہی نہ ہوسکے۔

مستقبل کا نظامِ زندگی حضرات! آزادی اور پاکستان کے حصول کے بعد سب سے پہلا اور سب سے اہم سوال جو آپ کے سامنے آیا ہے اور آپ سے فوری حل کا مطالبہ کررہا ہے وہ مستقبل کے نظامِ زندگی کا سوال ہے۔ سابق نظامِ زندگی جس کے تحت آپ نے کم و بیش ڈیڑھ سو سال بسر کیے اس کے بنانے والے انگریز تھے، جو اس ملک سے رخصت ہوچکے اور اب ناگزیر ہے کہ ان کے پیچھے یہ نظامِ زندگی بھی رخصت ہوجائے جو انھوں نے بنایا تھا، اور جو اپنے ظاہر و باطن میں آپ کے نہیں بلکہ ان کے مقاصد و مطلوبات کا ترجمان ہے۔ ہماری موجودہ نسلیں چونکہ اسی نظام کے تحت پلی اور بڑھی ہیں اس وجہ سے ممکن ہے اس سے وہ بیگانگی محسوس نہ ہوتی ہو، جو فی الحقیقت محسوس ہونی چاہیے، لیکن اب آزادی اور پاکستان کے حصول کے بعد جب وہ دوسروں کی بجائے اپنے آپ کو دیکھنا شروع کریں گی اور آہستہ آہستہ اپنے آپ کو پہچانیں گی تو اس نظام کی ہر چیز سے بیگانگی بلکہ نفرت سی محسوس کریں گی۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ یہ نظام بدل جائے اور صرف جزوی طور پر نہیں بلکہ یک قلم بدلا جائے۔ اور بے ڈھنگے لباس کی جگہ ایسا جامہ تیار کیا جائے جو اس کی قامت پر راست آئے۔ اب اگر میں آپ سے یہ سوال کروں کہ اس نظام کو ترک کرکے وہ کونسا نظام ہے جو آپ اختیار کرسکتے ہیں؟ اگر آپ اپنے مسلمان ہونے کی حقیقت سے بھی کچھ آشنا ہیں تو آپ اس سوال کے جواب میں ایک ہی بات کہہ سکتے ہیں وہ یہ کہ اسلامی نظامِ زندگی۔ جہاں تک جواب کا تعلق ہے کوئی مسلمان اس جواب کے سوا کوئی اور جواب نہیں دے سکتا، یہ اور بات ہے کہ بہتوں کے ذہن میں اس کا مفہوم اتنا مبہم ہو کہ وہ اس کی کوئی واضح تعبیر نہ کرسکتے ہوں یا ان کے ذہن میں اسلامی اور جاہلی تصورات کا کوئی اپنا تیار کیا ہوا معجون مرکب ہو کہ جس کو انہوں نے اسلامی نظامِ زندگی سمجھ رکھا ہو یا وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوں

کہ مسلمان جس طرح کا نظام بھی قائم کرکے لائیں وہ آپ سے آپ اسلامی ہوجاتا ہے اور اس کے اسلامی بن جانے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اس کو مسلمان چلارہے ہیں۔ یہ اور اس طرح کی بعض دوسری غلط فہمیوں کا پایا جانا ممکن ہے بلکہ ہم کو اعتراف ہے کہ اسلامی تعلیم و تربیت سے محروم رہنے کی وجہ سے مسلمان اسلامی نظام زندگی کے تصور سے اکثر و بیشتر نا آشنا ہیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک گروہ قلیل کے سوا جو قومی حیثیت سے تو مسلمان رہنا چاہتا ہے، مگر اعتقاد و عمل کے لئے اسے کفر ہی کی راہیں پسند ہیں کوئی بھی یہ بات کہنے کے لئے تیار نہیں ہے کہ اسے اسلام کا نظام نہیں بلکہ کوئی اور نظام مطلوب ہے، اور آج تو اس گروہ کے لوگوں کا بھی یہ حال ہے کہ وہ صاف صاف یہ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتے کہ انہیں اسلام کے سوا کوئی اور نظام مطلوب ہے بلکہ اگر کہتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ وہ جس نظام کو پسند کررہے ہیں وہ اسلام کے نظام کے منافی نہیں ہے۔ مسلمانوں کی اس عام خواہش کے ساتھ بڑی خوشی کی بات ہے کہ وہ لوگ بھی پوری طرح ہمنوا ہیں جن کے ہاتھوں میں آج مسلمانوں کی باگ ہے اور نظام زندگی کے فیصلہ میں جن کی آواز اصلی موثر آواز ہوسکتی ہے اس وجہ سے اس اطمینان کے لئے تو معقول وجوہ موجود ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس ملک میں کوئی جاہلی اور کافرانہ نظام زندگی فروغ نہیں پائے گا، لیکن اسلام سے اس عام بے خبری کی وجہ سے جس میں اس عہد کے مسلمان مبتلا ہیں اس بات کا اندیشہ ضرور ہے کہ مبادا کسی غلط اور ناقص چیز کو مسلمان اسلامی نظام سمجھ بیٹھیں، اور ان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر لوگ ان کے اوپر اسلام کے نام سے کوئی ایسی چیز مسلط کردیں جس کو اسلام سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہ ہو، اس خطرہ سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ اسلامی نظامِ زندگی کی خصوصیات کو معلوم کیا جائے اور ان کا علم عام مسلمانوں میں بھی پھیلایا جائے تاکہ وہ اسلامی اور غیر اسلامی نظام کے درمیان امتیاز کرسکیں اور کسی غلط چیز کو اپنے اوپر مسلط نہ ہونے دیں اور اگر فی الواقع اسلامی نظام قائم ہو تو اس کی حفاظت کرسکیں۔ اس تقریر میں میرے لئے اسلامی نظام زندگی کی تفصیلات پیش کرنا یا اس کی خصوصیات کو بیان کرنا تو ممکن نہیں ہے لیکن میں اسلامی نظام

زندگی سے متعلق چند ایسی موٹی موٹی باتیں بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں سمجھتا جو عام مسلمانوں کو اسلامی اور جاہلی نظام کی شناخت کرنے میں مدد دے سکیں گی اور آگے پیش آنے والے حالات و مسائل میں ان کی رہنمائی ان کو بہت سی غلط فہمیوں اور بہت سے دھوکوں سے محفوظ رکھے گی۔

پہلی بنیادی بات اسلامی نظام زندگی سے متعلق سب سے پہلی بات جو ہر مسلمان کو معلوم ہونی چاہیئے وہ یہ ہے کہ اس کی بنا انسانی آراء و افکار کی جگہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی شریعت پر ہے، اس کے اصول خدا اور اس کے رسول نے مقرر کر کے اس کے جزئیات کے متعلق یہ ہدایت فرمادی ہے کہ وہ انہی کلیات و اصول کی روشنی میں معین کر لیے جائیں، اور تمام نئے حالات و مسائل میں جو بات خدا اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے اصولوں سے قریب تر نظر آئے وہ عمل اور اتباع کے لئے اختیار کر لی جائے۔ اس میں انسانی فکر و نظر کو ایجاد کا نہیں، صرف اجتہاد و استنباط کا حق دیا گیا ہے اور یہ حق ان لوگوں کو دیا گیا ہے جو اسلامی شریعت پر مجتہدانہ نظر رکھتے ہوں اور اسلام کے مصالح و مقتضیات کو سمجھ سکتے ہوں۔ اس میں انسانی فکر و نظر کے استعمال کا دائرہ اگرچہ بہت وسیع ہے، لیکن وہ غیر محدود نہیں ہے، بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے کلیات کے تحت ہے اس میں جمہور کو قانون سازی کا کوئی حق نہیں دیا گیا ہے، لیکن وہ ان لوگوں کے انتخاب کا حق رکھتے ہیں جن کو وہ اس قانون کی تنفیذ، بدلتے ہوئے حالات پر اس کی تطبیق اور اس کے مقتضیات کی رعایت و حفاظت کے لئے اہل خیال کرتے ہیں۔ وہ اس بات کا بھی پورا حق رکھتے ہیں کہ جن لوگوں کو ایک مرتبہ وہ یہ امانت سونپیں اگر ان کو اس کے لئے نااہل پائیں یا ان کی طرف سے کسی خیانت یا بدعہدی کا کوئی خدشہ محسوس کریں تو ان کی اصلاح کے لئے کوئی مناسب قدم اٹھائیں، اور اگر ضرورت سمجھیں تو ان کو منصب سے ہٹا دیں۔ لیکن ان کی اقلیت یا اکثریت کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس نظامِ زندگی کے کلیات یا جز[illegible] ——— خدا اور اس کے رسول کے مقرر کردہ اصول سے بے پرواہ ہو کر ——— محض اپنی خود رائی سے تنسیخ کرے۔ ایسا کرنا اسلامی شریعت میں نہ صرف ناجائز ہے بلکہ یہ براہ راست

خدا کے حق قانون سازی میں مداخلت کی وجہ سے کفر و شرک کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ بات اگرچہ اسلامی شریعت میں اتنی کھلی ہوئی ہے کہ اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن اس کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ اس زمانے میں مسلمان عام طور پر اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ جو کچھ بھی کر گزریں وہ آپ سے آپ اسلامی ہو جاتا ہے، اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنی انفرادی زندگیوں میں تو ممکن ہے مسلمان کسی حد تک اپنے اعمال و اقوال کے لئے خدا اور رسول کے احکام کو بھی معیار خیال کرتے ہوں، لیکن اپنی اجتماعی زندگی کے معاملات میں تو یہ اللہ اور رسول سے بالکل بے پروا ہو کر خود معیار اور سند بن گئے ہیں۔ یہ جو قانون بنا ڈالیں وہ آپ سے آپ اسلامی ہو جاتا ہے، خدا اور رسول سے اس کو کوئی واسطہ ہو یا نہ ہو۔ یہ جو نظامِ معیشت و معاشرت پسند کر لیں وہ اسلامی ہے، اگرچہ وہ خدا اور رسول کے مقرر کردہ اصولوں سے کوسوں دور ہو۔ یہ جو نظام تعلیم جاری کر دیں وہ اسلامی نظامِ تعلیم ہے، اگرچہ اس نظام تعلیم سے اسلام کی بیخ کنی اور کفر کی آبیاری ہو رہی ہو۔ اس بر خود غلطی میں مسلمان ٹھیک ٹھیک اہل کتاب کے نقش قدم کے پیرو بن گئے ہیں۔ جس طرح اہل کتاب مدعی تھے کہ ہم جو کچھ زمین پر باندھیں گے وہ آسمان پر باندھا جائے گا اور جو کچھ زمین پر کھولیں گے آسمان پر کھولا جائیگا، بالکل اسی طرح مسلمان قوم اپنے آپ کو یا تو خدا اور رسول کے قائم مقام سمجھنے لگی ہے یا یہ خیال کرنے لگی ہے کہ خدا نے اس کو یہ درجہ دیا ہے کہ اس کا ہر قول و فعل بجائے خود سند اور حجت ہے۔ اس کے لئے کسی اور بالاتر سند اور حجت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس غلط فہمی کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کل تک جو مسلمان اس بات پر راضی نہ تھے کہ کوئی ایسی اسمبلی ان کے لئے قانون بنائے جس کی اکثریت غیر مسلم ہو وہ ان اسمبلیوں کے حق شریعت سازی پر کوئی خاص بے چینی محسوس نہیں کر رہے جن کی اکثریت خود ان کے بھائیوں پر مشتمل ہے۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اصلی اہمیت در اصل اس بات کی نہیں ہے کہ قانون کا ماخذ کیا ہو، بلکہ جو کچھ اہمیت ہے وہ صرف اس بات کی ہے کہ اس کے بنانے والوں کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہو، غیر مسلموں پر مشتمل نہ ہو۔ حالانکہ دیکھنے کی چیز یہی تھی کہ قانون کا ماخذ کیا ہے، خدا اور

رسول یا کوئی اور ۹ اگر قانون کا ماخذ کوئی اور ہے تو وہ اسلامی شریعت نہیں، حرام ہے اور اس کی حرمت
میں اس چیز کی وجہ سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا کہ یہ کوئی اور "خود مسلمان جمہور کے نمائندے ہیں یا کسی اور قوم کے
اسلام زندگی کے ہر گوشے پر حاوی ہے | اسلامی نظام زندگی کے متعلق دوسری حقیقت یہ
ہے کہ یہ ہماری اجتماعی اور انفرادی زندگی کے ہر گوشے پر حاوی ہے۔ اسلام جیسا کہ ہر شخص کو
معلوم ہے، صرف بندے اور خدا کے درمیان ایک معاملہ نہیں ہے۔ بلکہ بندوں اور بندوں کے
درمیان کا بھی معاملہ ہے، اس وجہ سے وہ ان سارے اجتماعی و معاشرتی پہلوؤں سے
بحث کرتا اور ان کے اصول و کلیات مقرر کرتا ہے جن پہلوؤں سے ایک شخص اپنے کنبہ یا قبیلہ یا قوم
یا ملک یا اپنے ابنائے جنس کے ساتھ جڑتا ہے۔ اگر یہ جڑنا رشتہ اور قرابت کی نوعیت کا ہے تو اسلام اس
کے لئے بھی حقوق و فرائض مقرر کرتا ہے، اگر یہ جڑنا اقتصادی و تجارتی نوعیت کا ہے تو اسلام اس کے
بھی حدود و قیود معین کرتا ہے اور اگر یہ جڑنا سیاسی و اجتماعی پہلو رکھتا ہے تو اسلام اس کے چاروں
گوشے بھی واضح کرتا ہے۔ ہماری زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو اسلام کی نگرانی سے آزاد ہو۔ اس وجہ
سے کوئی نظام زندگی، اسلامی زندگی کہلانے کا مستحق اس وقت ہو سکتا ہے جب وہ ہر پہلو سے اسلامی
ہو۔ اگر ہم یہ چاہیں کہ اپنے اسی پرانے نظام کو لے کر جو انگریزوں کا بنایا ہوا ہے، کچھ اس کے ابرے
ستے ہیں اور کچھ اس کے استر سے، اور اس کے جھول جھال کو ٹھیک کر کے اور کچھ اس میں اسلامی ٹانکے
کے پیوند لگا کر اس کو مسلمانوں کے اوپر اڑھا دیں اور کہنا شروع کر دیں کہ یہ لو! اسلامی نظام تیار ہو گیا تو
یہ کھلی ہوئی دھوکہ بازی ہوگی، اسلامی نظام اس قسم کی پیوندکاری یا گلکاری سے نہیں بنے گا، بلکہ
موجودہ نظام زندگی کے ہر شعبہ کو یک قلم بدل کر اس کو خالص اسلامی اصولوں کی اساس پر تعمیر کرنا ہوگا۔ یہ تبدیلی
اگرچہ تدریجاً ہوگی (اس تدریج کی صورت میں آگے چل کر واضح کروں گا) لیکن بہرصورت تبدیلی ہمہ گیر ہوگی
یعنی موجودہ نظام پورے کا پورا بدل کر اس کی جگہ پورا اسلامی نظام جاری کرنا ہوگا۔ نظام اسلامی کے مجموعہ
میں سے کچھ کلی مستثنیٰ کرنے یا اس میں ترجیح و انتخاب کا حق ہمیں حاصل نہیں ہے۔

اسلام کا کوئی حصہ اختیاری نہیں ہے، سب کا سب واجب اور ضروری ہے،

اسی طرح واجب اور ضروری جس طرح نماز، روزہ۔ البتہ اگر فرق ہے تو اس اعتبار سے فرق ہے کہ اسلام کے اجتماعی احکام کی تعمیل اس وقت تک افراد پر ضروری نہیں ہوتی جب تک وہ ایک باختیار اور آزاد جماعت کی حیثیت حاصل نہ کرلیں۔ یہ حیثیت حاصل ہوجانے کے بعد دین کے تمام اجزا جماعت پر یکساں طور پر واجب ہوجاتے ہیں، خواہ ان کا تعلق روزہ و نماز سے ہو یا حدود و تعزیرات سے ہو۔ یا جہاد و قتال سے۔ اس قسم کی کلی تبدیلی، قطع نظر اس سے کہ یہ اسلام کا مطالبہ ہے، اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ اسلامی نظام کے مختلف اجزاء کا اصلی حسن اسی وقت سامنے آتا ہے جب وہ اجزاء خود اپنے فریم کے اندر ہوں۔ اگر ایسا نہ ہو بلکہ اسلامی نظام زندگی کے ایک یا بعض اجزاء کو لے کر ان کا پیوند کسی اور نظام زندگی میں لگا دیا جائے تو اس سے نہ صرف یہ کہ اسلامی جزو کی اصلی خوبی لوگوں کے سامنے نہیں آئے گی، بلکہ یہ اپنے اصلی جسم سے کاٹ کر ایک دوسرے جسم میں جوڑے جانے کی وجہ سے بے ڈھنگا بھی معلوم ہوگا۔ اس کو مثال سے یوں سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام میں چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا یا زنا پر سنگسار کرنے کی سزا جاری کرنے کا حق اس وقت دیا گیا ہے جب ملک کا معاشی اور معاشرتی نظام اسلام کے پاکیزہ اصولوں پر قائم کیا جا چکا ہو۔ اس طرح کے ماحول میں چوری اور زنا کی یہ سزائیں نہ صرف واجبی اور معقول معلوم ہوں گی بلکہ ان جرائم کی اس سے کم درجہ سزا اس طرح کے ماحول میں بننے والوں کا احساس ضمیر مطمئن ہی نہیں ہوگا۔ لیکن اگر یہی سزائیں آپ موجودہ معاشی اور معاشرتی ماحول کے اندر جاری کردیں، تو ہر شخص ان سزاؤں کو غیر معقول اور بے رحمانہ قرار دے گا اور اس مذہب سے اسے بدگمانی ہوگی جس کے اندر ایسے عام جرائم پر اتنی سخت سزائیں تجویز کی گئی ہیں۔ اس وجہ سے ہم اس بات کو اسلام کے لئے نہایت مضر سمجھتے ہیں کہ موجودہ جاہلی نظام زندگی کے فریم میں اسلام کے پرسنل لا یا اس کے کرمنل لا کو ٹھونسنے کی کوشش کی جائے اس کوشش سے اسلام کو فائدہ پہنچنے کی بجائے الٹا نقصان پہنچے گا، اور موجودہ نسلیں جو غیر اسلامی ماحول اور غیر اسلامی تعلیم و تربیت کے زیر سایہ پلنے اور بڑھنے کی وجہ سے اسلام سے پہلے ہی کچھ بدگمان ہیں، اندیشہ ہے کہ اگر اسلامی نظام زندگی سے ان کو یہ الٹا تعارف کرایا گیا تو ان کی یہ بدگمانی اور زیادہ بڑھ جائے گی،

اور دوسری قوموں کو بھی اسلامی احکام کی قدر و قیمت پہچاننے میں سخت زحمت پیش آئے گی۔

حکومت کیسے مسلمان بنتی ہے؟

تیسری نہایت اہم بات جو اس سلسلہ میں معلوم کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ جس طریقے سے ایک شخص کفر کی حالت سے نکل کر اسلام کی حالت میں داخل ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح کوئی نظام زندگی یا کوئی اسٹیٹ بھی جاہلیت سے نکل کر اسلام کو اختیار کرتا ہے۔ اگر آپ کسی غیر مسلم کو مسلمان بنانا چاہیں تو اس کے لئے یہ طریقہ اختیار نہیں کرتے کہ پہلے اس کے سر پر مسلمانوں جیسی پگڑی باندھ دیں یا اس کے چہرے پر ڈاڑھی لگا دیں یا اس کو گائے کا گوشت کھلا دیں اور پھر اس سے کہیں کہ جا تو اب اسلام میں داخل ہو گیا ہے، آہستہ آہستہ بقیہ اسلام کو بھی اختیار کر لینا، بلکہ پہلے آپ اس سے خدائے وحدہٗ لاشریک کی حاکمیت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واجب الاطاعت ہادی ہونے کا اقرار کراتے ہیں، جب وہ ان باتوں کا اقرار کر لیتا ہے تو آپ اس کو مہلت دیتے ہیں کہ اب وہ بالتدریج اپنی ساری انفرادی و اجتماعی زندگی کو اسلام کے رنگ میں رنگ ڈالے اسی طرح جب کوئی حکومت مسلمان بننے کا ارادہ کرتی ہے تو اس کے لئے یہ طریقہ صحیح نہیں ہے کہ وہ پہلے اپنے دائرے کے اندر شادی، بیاہ اور نکاح و طلاق سے متعلق اسلامی قوانین جاری کر دے یا کچھ مولویوں کو بھرتی کر کے پولیس کو نماز پڑھانے کی مہم جاری کر دے، بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے اپنے کانسٹی ٹیوشن (دستور) کی زبان سے، جو کسی سٹیٹ کے ارادۂ عمومی (General will) کے اظہار کا واحد ذریعہ ہے، خدا کی حاکمیت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واجب الاطاعت لیڈر ہونے کا اقرار کرے یہ اقرار کر لینے کے بعد اسٹیٹ نے گویا کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمّدٌ رّسول اللّٰہ پڑھ لیا۔ اب اس کو مہلت دی جائے گی کہ جس تدریج و ترتیب کے ساتھ اسلام کے اجتماعی قوانین اختیار کرنے کی اسلام میں ہدایت کی گئی ہے اسی ترتیب و تدریج کے ساتھ وہ اسلام کے تمدنی، معاشرتی اور اقتصادی ضابطوں کو اختیار کرنا شروع کرے، یہاں تک کہ ایک دن پورے طور پر اسلام کے رنگ میں رنگ جائے اور اس کی زندگی کے کسی گوشے میں بھی جاہلی نظام زندگی کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے۔ اگر اس فطری طریق کو چھوڑ کر غیر فطری طریقہ اختیار کیا گیا، جیسا کہ پاکستان کے لیڈر پاکستان کی حکومت کو اسلامی بنانے کے لئے اختیار کر رہے ہیں تو

اندیشہ ہے کہ اس طرح یہ ملک کبھی بھی اسلامی حکومت کی صورت نہیں دیکھ سکے گا۔ ہم ان لیڈروں کی نیک نیتی پر شبہ نہیں کرتے، ممکن ہے وہ نیک نیتی کے ساتھ یہ خیال کر رہے ہوں کہ اس طرح وہ آہستہ آہستہ ملک کے پورے نظام کو اسلامی بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے، لیکن ہم اس پر پورا یقین رکھتے ہیں کہ یہ الٹی تدریج اسلامی نظام کے مطالبہ سے لوگوں کو پھیرنے یا نئی نسلوں کو اس سے کچھ بدگمان کرنے کے لئے تو مفید ہوگی، لیکن اسلامی نظام کو برپا کرنے کے لئے یہ ذرا بھی مفید نہیں ہو سکتی۔ ہم تدریج کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ اس کو از روئے شریعت ضروری سمجھتے ہیں لیکن اس الٹی تدریج کو نہایت مہلک خیال کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک فطری تدریج یہی ہے کہ پہلے اسٹیٹ اپنے دستور کی زبان سے کلمہ پڑھے اور خدا کی حاکمیت کے حق میں اپنی حاکمیت سے دست برداری کا اعلان کرے، اس کے بعد درجہ بدرجہ اپنے نظام کے ہر شعبے کو اس عقیدے کی روشنی میں بدلے۔ پہلے اسٹیٹ کی صورت کو، پھر نظام تعلیم کو پھر قضا اور عدالت کے طریقوں کو، پھر معاشرتی اور اقتصادی طریقوں کو یہاں تک کہ قومی ضابطہ حیات سے لے کر خارجی سیاست تک ہر چیز کا مزاج یکسر اسلامی ہو جائے۔ لیکن سادہ لوح لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسٹیٹ کا اقرار ایمان چنداں ضروری نہیں ہے، بلکہ ایک لادینی جمہوری ریاست بھی قائم ہو جائے تو اس کے نظام میں بھی آہستہ آہستہ اسلامی نظام حیات کے اجزا کا پیوند لگا کر اس کو اسلامی رنگ کا بنا لیا جائے گا۔ اس طرح کے لوگوں کو کون سمجھائے کہ کسی منکر خدا و رسول کو محض ڈاڑھی رکھوا کر یا پگڑی بندھوا کر مسلمان نہیں بنایا جا سکتا، اسی طرح ایک لادینی جمہوری ریاست کو محض نکاح و طلاق کے اسلامی قوانین کے ذریعہ سے اسلام کی طرف نہیں لایا جا سکتا اور یہ بات کہ اس ملک کے اندر مسلمانوں کی اکثریت ہے اس وجہ سے وہ لازماً ایک لادینی جمہوری ریاست کو بھی اسلام ہی کی طرف کھینچے گی محض ایک طفلانہ خیال ہے۔ اگر ایک مرتبہ لادینی جمہوری اسٹیٹ قائم ہو گیا تو کچھ دنوں تک تو ممکن ہے کہ یہ صورت قائم رہ سکے کہ آپ مسلمان رہیں اور آپ کی حکومت کافر لیکن زیادہ زمانہ نہیں گذرے گا کہ آپ کی اسٹیٹ اس دورنگی کو مٹا کر رہے گی۔ اور بالآخر اسٹیٹ کے ساتھ ساتھ آپ کو بھی کافر بننا پڑے گا۔

اس وقت مقصود اسلامی نظام کی تفصیلات کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ اسلامی نظام زندگی سے متعلق بعض ایسی اصولی باتوں کو آپ کے سامنے رکھ دینا ہے جو آپ کو ان دستوری تبدیلیوں کے رجحان کو سمجھنے میں مدد دے سکیں جو مستقبل قریب میں اس ملک میں ہونے والی ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اس مقصد کے لئے یہ باتیں کافی ہوں گی۔ اس وجہ سے میں ان سے ہٹ کر ان عذرات پر اب چند حرف عرض کرنے کی کوشش کرونگا جو اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں پیش کئے جاتے ہیں۔

بعض عذرات اور ان کا جواب میں نے عذرات کا لفظ بالقصد استعمال کیا ہے، ورنہ بعض باتیں اسلامی نظام کی نسبت ایسی بھی کہی جاتی ہیں جو صریح مخالفت کی حیثیت رکھتی ہیں، اور صرف انہی لوگوں کی طرف سے نہیں کہی جاتی ہیں جو غیر مسلم ہیں، بلکہ ان لوگوں کی طرف سے بھی کہی جاتی ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ میں اسلام کے ان مسلمان مخالفین کے جواب میں اس کے سوا کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ اگر انہیں اسلامی نظام پر اعتراضات ہیں تو وہ جو نظام زندگی چاہیں اس کو اختیار کرلیں اور کھلم کھلا اختیار کریں۔ وہ خواہ مخواہ اسلام کے ساتھ چمٹے نہ رہیں بلکہ اخلاقی جرأت کا ثبوت دیں اور اپنے لئے مسلمانوں کے دائرہ سے کوئی جگہ باہر تلاش کرلیں۔ البتہ میں ان لوگوں کے عذرات کا جواب دینا چاہتا ہوں جو اسلامی نظام کی قدر و قیمت اور اس کے قیام کی ضرورت و اہمیت کا تو اعتراف کرتے ہیں لیکن بعض وقتی حالات یا سیاسی مصالح کو بطور عذر پیش کرکے فی الحال اس کو ملتوی کرنا بہتر سمجھتے ہیں۔

یہ لوگ جو باتیں کہہ رہے ہیں ان میں سے دو باتوں کو خاص طور پر اہمیت دی جا رہی ہے۔ ایک بات تو یہ ہے کہ اس وقت پاکستان مختلف قسم کے اندرونی و بیرونی خطرات سے گھرا ہوا ہے، انڈین یونین اس کے تباہ کرنے پر تلی ہوئی بیٹھی ہے، سکھ اس کے خلاف الگ غصہ سے کھول رہے ہیں، کشمیر میں الگ جھگڑا چل رہا ہے، اندرونی ملک کا یہ حال ہے کہ پناہ گزینوں کے مسئلے نے ملک کے معاشی نظام اور اس کی انتظامی مشینری کو درہم برہم کر ڈالا ہے، اور بعض سیاسی [illegible]

بھی (مثلاً پختونستان کی تحریک) موجود ہیں جو پاکستان کی وحدت کے لئے سخت خطرہ بن سکتی ہیں۔ ان حالات کے اندر اسلامی نظام کا سوال ایک بے وقت سوال ہے جس کے اُٹھ کھڑے ہونے سے اندیشہ ہے کہ بیرونی خطرات اور اندرونی مشکلات دونوں میں اضافہ ہو جائے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر پاکستان میں مذہبی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی گئی تو لازمی طور پر اس کا ردعمل ہندوستان میں یہ ہوگا کہ ہندو مہا سبھا کی تحریک کو تقویت ہوگی اور وہاں بھی ایک لادینی جمہوری حکومت کی جگہ خالص مذہبی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی جائیگی جس سے اقلیتوں کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص نقصان پہنچے گا اور ان کی رہی سہی آزادی بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔ میں ان دونوں باتوں کا مختصراً جواب دونگا۔

خطرات کے عذر کا جواب | پہلی بات کے جواب میں گذارش ہے کہ ان خطرات کی وجہ سے اس چیز کو ملتوی کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے جس کی خاطر ہی ہم نے ان خطرات کو دعوت دی ہے۔ میں شروع میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکا ہوں کہ اگر ہم اسلام اور اسلامی زندگی اپنے لئے ناگزیر خیال نہ کرتے ہوتے اور اس کو کسی وجہ سے بھی ملتوی کرنا ہمارے لئے جائز ہوتا تو ہمارے نئے پاکستان کے مطالبے کے لئے کوئی معقول وجہ نہ تھی۔ ہم نے یہ خطرناک مطالبہ کیا ہی اس وجہ سے تھا کہ ہم ہر خطرہ کا مقابلہ کر سکتے ہیں لیکن اسلام کو ملتوی نہیں کر سکتے۔ پھر یہ کتنی نامعقول بات ہوگی کہ ہم اپنے مسلمان بننے کو ملتوی رکھ چھوڑیں، اس وجہ سے کہ کچھ خطرات اور مشکلات ہیں۔ اگر ان خطرات اور مشکلات کی وجہ سے اسلام کو نظرانداز کیا جا سکتا ہے تو پھر نہ تو ہندوستان کو تقسیم کرانے ہی کی کوئی ضرورت تھی اور نہ اپنی قوم کو ان مصائب میں مبتلا کرنے ہی کی کوئی وجہ تھی جن میں آپ اس کو مبتلا کر چکے۔ لیکن یہ سب کچھ کر گزرنے کے بعد یہ کتنی عجیب بات ہے کہ خطرات و مصائب کے احساس نے ہم کو اسی چیز سے دستبردار ہونے پر مجبور کر دیا ہے جس کو ہم اپنی زندگی کے لئے سانس کی طرح، بلکہ اس سے بھی زیادہ ضروری خیال کرتے تھے۔

ممکن ہے یہ باریک بات بعض لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے، اس وجہ سے ان خطرات پر ایک

دوسرے پہلو سے غور کیجئے! یہ سارے خطرات جو آج موجود ہیں اور جو کل پیدا ہو سکتے ہیں، یہ اس ملک کے سر پر اس وقت تک برابر منڈلاتے رہیں گے، جب تک یہ صرف ایک چھوٹی سی پاکستانی قوم کا قومی وطن (Home Land) ہے۔ جب تک آپ محض ایک قوم ہیں، اس وقت تک آپ کے لئے اور اس ملک کے لئے نہ ہندوستان کی طرف سے مطمئن ہونے کی کوئی صورت ہے، نہ روس کی طرف سے، اور نہ ایران و افغانستان کی طرف سے۔ ایران و افغانستان کے ساتھ اگرچہ آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کا رشتہ اخوت کا رشتہ ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ کی ترقی جس طرح ہندوستانی قومیت کے مفاد کے خلاف ہے اسی طرح ایرانی و افغانی قومیت کے بھی خلاف ہے۔ اس وجہ سے کہ بحیثیت "ایک قوم" کے دنیا کی تمام دوسری قوموں کے ساتھ آپ کا فطری تعلق عداوت اور رقابت ہی کا ہو سکتا ہے نہ کہ دوستی، اخوت اور ہمدردی کا۔ ایک قوم رہتے ہوئے آپ دنیا کی دوسری قوموں سے زیادہ سے زیادہ جس بات کی توقع کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ ظاہر میں وہ آپ کے مفاد کو نقصان پہنچانے کی کوئی کوشش نہ کریں اور آپ کے تعاون کا جواب تعاون سے دیں، اور یہ توقع بھی صرف ان ہی قوموں سے کر سکتے ہیں جن کے سیاسی مصالح ان کو اس بات پر مجبور کریں کہ وہ آپ کے ساتھ رواداری اور تعاون کا رابطہ رکھیں۔ اسی وجہ سے جو خطرات آپ آج محسوس کر رہے ہیں ان خطرات کے کافور ہونے کی توقع کل بھی نہیں کی جا سکتی اور اگر ان کی وجہ سے آپ اسلامی نظام کے قیام کو ملتوی کر رہے ہیں تو پھر اس کو ہمیشہ کے لئے ملتوی ہی سمجھئے۔

اصل قوت اسلام ہے | کسی قوم کے لئے دوسری قوموں کی طرف سے بے خوف اور مطمئن ہونے کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے، بجز اس ایک راستہ کے کہ اپنے وسائل و ذرائع اور اپنی مادی اور جنگی قوتوں کے لحاظ سے وہ تمام معاصر قوتوں سے بازی لے جائے۔ لیکن پاکستان جیسے محدود ذرائع رکھنے والے ملک کے لئے، بالخصوص جبکہ وہ ہر طرف سے وسیع ذرائع رکھنے والی رقیب طاقتوں سے گھرا ہوا ہے، ایسی عظمت حاصل کر لینا کہ وہ دنیا کی قوموں سے ڈرنے کے بجائے خود ان کے لئے خطرہ بن جائے اگرچہ محال نہیں ہے لیکن قومی راستوں سے یہ مقام حاصل کرنا ناممکن ہے۔ ایک

مدت دراز تک کے لئے محال ہے۔ البتہ اس کا ایک طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ پاکستان کے باشندے ایک "قوم" بننے کے بجائے "ملت مسلمہ" بننے کی ہمت کریں اور پاکستان کو پاکستانی قومیت کا وطن بنانے کی جگہ اس کو اسلامی دعوت اور اسلامی تحریک کا مرکز بنائیں۔ یہ اسلامی تحریک بلاشبہ ایک ایسی چیز ہے جس کی طرف بلا امتیاز نسل و قوم تمام دنیا کو بلایا جا سکتا ہے اور تمام نسل انسانی کے لئے اس کے اندر کشش ہو سکتی ہے۔ یہ کوئی قومی اور وطنی چیز نہیں ہے بلکہ ایک اصولی چیز ہے۔ اس کو تمام دنیا پر غالب کرنے کے لئے مادی وسائل و ذرائع کی ضرورت نہیں بلکہ صرف اس کی طرف دعوت اور اس کے مظاہرہ کی ضرورت ہے۔ اس کو دنیا سے منوانے کے لئے مادی اور جنگی قوتوں کی پشت پناہی درکار نہیں ہوگی، بلکہ اسلامی تعلیمات کی خود اپنی قوت اور جاذبیت اس کے لئے فوج اور لشکر کا کام دیگی، دنیا کی قومیں اس کو کسی قوم کا غلبہ سمجھ کر اس کے خلاف بغاوت کرنے کے بجائے ان لوگوں کے خلاف بغاوت کریں گی جو اس کے خلاف نفرت پھیلانے کی یا اس کی مزاحمت کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس طرح اگر آپ چاہیں تو آپ دفعۃً اپنی اور اپنے اس ملک کی حالت بدل دے سکتے ہیں۔ آج ہر طرف سے دوسرے آپ کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہیں اور آپ ان سے ڈر رہے ہیں لیکن کل (اگر آپ نے اپنی حالت بدل لی) آپ تمام دنیا کے لئے رحمت بن جائیں گے اور سب آپ کی راہ دیکھیں گے۔ عربوں کی قوم ایک نہایت چھوٹی سی قوم تھی۔ ان کے وسائل و ذرائع نہ صرف محدود بلکہ بمنزلہ صفر تھے، اگر وہ محض اپنے قومی وسائل کے بل پر لاکھ برس بھی کوشش کرتے تو شاید اونٹوں کی چرواہی سے آگے نہیں بڑھ سکتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام کی عزت سے ان کو سرفراز کیا اور وہ اس کو لے کر اٹھے اور چشم زدن میں مراکش سے لے کر دیوار چین تک پھیل گئے، اور زمین کے ہر گوشے میں انسانیت کے نجات دہندوں کی حیثیت سے ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ یہ راہ آپ کے لئے بھی کھلی ہوئی ہے اگر آپ اسلامی دعوت اور اسلامی سیرت کے ساتھ اس راہ پر چلنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے، تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ کو کامیابی حاصل نہ ہو۔

یہ خیال نہ کیجئے کہ ترکوں نے مذہب اور خلافت سے جو دستبرداری کا اعلان کیا، اس کی وجہ خدانخواستہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں مذہب اور خلافت کے لئے دنیا میں کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے ترکوں کے پاس نہ مذہب تھا اور نہ خلافت بلکہ ایک بے جان سی ملوکیت تھی جس کو انھوں نے خلافت کا نام دے رکھا تھا۔ اس طرح کی کسی چیز کے لئے بلاشبہ موجودہ زمانہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے اور اچھا ہوا کہ ترکوں نے اس ڈھونگ کو ختم کر دیا۔ ہم آپ کو ترکوں کی دفن کی ہوئی لاش کو اکھاڑنے کی دعوت نہیں دے رہے ہیں بلکہ اس نظام اسلامی کو قائم کرنے کی دعوت دے رہے ہیں جو حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ کی رہنمائی میں قائم ہوا تھا۔ سلطان عبدالحمید اور عبدالمجید کی خلافت کے احیاء کے لئے نہیں پکار رہے ہیں۔

امامت اقوام کا منصب سائنس کی ترقیوں نے اب چھوٹی چھوٹی قومی اور وطنی ریاستوں کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں چھوڑی ہے۔ اب دنیا ایک عالمگیر ریاست (World State) کے قیام کی ضرورت بے چینی کے ساتھ محسوس کر رہی ہے اس کی اسی مخفی خواہش کا اظہار پہلی جنگ عظیم کے بعد جمعیت اقوام کی صورت میں ہوا تھا اور اب دوسری جنگ عظیم کے بعد یو این او کی شکل میں ہوا ہے، لیکن ایک عالمگیر ریاست کے لئے جو بنیادی اصول درکار ہیں، دنیا ان سے ناآشنا ہے۔ اس وجہ سے ایک بچے کی طرح دنیا اپنے درد کا اظہار تو کرتی ہے لیکن نہ تو وہ اس درد کو بیان کر سکتی ہے اور نہ اس کے علاج کا ہی اس کو علم ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس طرح جمعیت اقوام کا ناقص علاج ناکام رہا اسی طرح یو این او کا غلط علاج بھی ناکام ہو رہا ہے۔ روس ایک اصولی تحریک لے کر اٹھا تھا اور بہتوں کو یہ گمان تھا کہ وہ اس دنیا کے اس مطالبہ کو پورا کر دے گا، لیکن اس کو اپنے اصولوں کی کمزوری کی وجہ سے بالآخر اپنے خول میں سمٹ جانا پڑا۔ ہم کو اس بات کا پورا یقین ہے کہ دنیا کی اس ضرورت کو صرف اسلامی نظام ہی پورا کر سکتا ہے۔ لیکن کسی نظام کو پیش کرنے کا کام کوئی فرد واحد (خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو) انجام نہیں دے سکتا۔ یہ کام درحقیقت ایک ملک کے کرنے کا ہے، اور اگر پاکستان اس کام کا بیڑا اٹھالے تو اس کی اپنی مشکلات کا بھی اس میں علاج ہے اور دنیا کی ساری مشکلات کا بھی اس میں خاتمہ ہے ہماری دلی آرزو اور دعا ہے کہ پاکستان اس کام کو انجام دینے کی توفیق پائے اور دنیا کی امامت کی ذمہ داریاں

سنبھالے۔

ہندوؤں کی مذہبی حکومت کا ہوّا | دوسرا عذر جو پیش کیا جاتا ہے وہ بھی بے بنیاد ہے اور اس کے بے بنیاد ہونے کے متعدد وجوہ ہیں، جن میں سے بعض کی طرف میں اشارہ کروں گا۔

اول تو اس بات کو خوب یاد رکھئے کہ ہندوستان میں ہندو اگر مذہبی حکومت نہیں قائم کر رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کو اپنی مسلمان اقلیت کا لحاظ ہے۔ جہاں تک اقلیتوں کا تعلق ہے، اُن کے حقوق تلف کرنے کے لئے ہندوؤں کی ایک لادینی جمہوری ریاست بھی اسی طرح بے رحم ثابت ہو سکتی ہے جس طرح ان کی ایک مذہبی حکومت ہو سکتی ہے، البتہ وہ مذہبی حکومت کا نام اگر نہیں لے رہے ہیں اور نہیں لے سکتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے مذہب کی بنیاد ذات پات کے ایسے امتیازات پر ہے کہ ان کی قوم خود مذہبی حکومت کو برداشت نہیں کر سکتی، اور اگر کوئی مذہبی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کے خلاف سب سے پہلے خود ہندو قوم بغاوت کرے گی اس وجہ سے یہ چیز ہمارے ڈرنے کی نہیں ہے بلکہ آپ کو خواہش کرنی چاہیئے کہ ایسا ہو۔ اگر آپ پاکستان میں اسلام کی حکومت قائم کریں اور ہندو اس کے جواب میں ہندوستان میں اپنی مذہبی حکومت قائم کر دیں تو یہ مقابلہ انشاء اللہ آپ کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگا۔ اس مقابلہ میں اسلام کی وہ خوبیاں اور صلاحیتیں تمام دنیا پر واضح ہو جائیں گی جو ایک مدت سے لوگوں کے سامنے نہیں ہیں، ان کے واضح ہونے کے بعد آپ گھاٹے میں نہیں بلکہ نفع میں رہیں گے۔

غیر مسلموں کے حقوق | دوسری بات یہ ہے کہ ہندوؤں اور غیر مسلموں کو اگر ہماری مذہبی حکومت سے کوئی شکایت ہو سکتی ہے تو اس حالت میں ہو سکتی ہے، جب کہ اس کے زیر سایہ ان کے حقوق تلف ہونے کا کوئی اندیشہ ہو، یا ایک لادینی ریاست میں ان کو زیادہ حقوق پانے کی توقع ہو۔ اگر یہ باتیں نہ ہوں تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ خواہ مخواہ ایک لادینی ریاست ہی کے قیام پر اصرار کریں۔ میں اسلام کے متعلق جو تھوڑا بہت علم رکھتا ہوں، اس کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ کوئی لادینی جمہوری ریاست اپنے اندر بسنے والی اقلیتوں کو جو زیادہ سے زیادہ حقوق دیتی ہے، اسلامی حکومت اپنے دائرہ

کے اندر بسنے والی غیر مسلم رعایا کو اس سے کہیں زیادہ حقوق دیتی ہے، البتہ اسلام نے حقوق اور ذمہ داریوں میں فرق کیا ہے۔ ذمہ داریوں کا بوجھ صرف ان لوگوں پر ڈالا ہے جو اسلام پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن حقوق میں اسٹیٹ کے اندر بسنے والے ہر فرد کو یکساں شریک کیا ہے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم ہو۔ ایک اسلامی اسٹیٹ کے اندر غیر مسلموں کے حقوق نمائشی نہیں ہوتے بلکہ واقعی اور قطعی ہوتے ہیں اور اسلامی اسٹیٹ ان کے لئے خلق اور خالق دونوں کے آگے جوابدہ ہوتی ہے۔ اس کے برعکس لادینی جمہوری ریاستوں کے اندر اقلیتوں کے حقوق محض نمائشی ہوتے ہیں جو کاغذ پر تو نظر آتے ہیں لیکن واقعات کی دنیا میں نہ توان کا کوئی وجود نظر آتا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی لادینی جمہوری ریاست اقلیت کے کسی فرد کو وزارت کے منصب پر سرفراز کردے لیکن کوئی اقلیت اپنے حقوق پر اصرار کر کے کسی جمہوری ریاست کے اندر پنپ نہیں سکتی۔ غیر مسلموں کو اگر شکایت ہو سکتی ہے اور بجا طور پر ہو سکتی ہے تو آپ کی ان زیادتیوں کی وجہ سے ہو سکتی ہے جو آپ نے ۱۵ اگست کے بعد ان پر کی ہیں اور جن کے سبب سے آپ نے ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کو بھی نقصان پہنچایا ہے اور اسلام کو بھی سخت بدنام کیا ہے؟ لیکن یہ ساری حرکتیں تو آپ کر گزرے اور آپ نے ذرا نہ سوچا کہ ان کے اثرات آپ کے کروڑوں بھائیوں پر اور آپ کے دین پر کیا پڑیں گے، لیکن جب صحیح کام کرنے کا وقت آیا ہے اور جس کو انجام دے کر آپ اسلام کی، ہندوستان کے مسلمانوں کی، پاکستان کے غیر مسلموں کی اور خود اپنی ایک سچی خدمت انجام دے سکتے ہیں تو آپ ڈر رہے ہیں کہ ادھر آپ نے اس کا ارادہ کیا اور ادھر ہندوستان کے مسلمان تباہ ہو گئے۔ بلاشبہ دینی حکومت کا نام لینے سے غیر مسلموں کو کچھ بدگمانیاں ہوں گی، لیکن یہ بدگمانیاں اسی وقت تک باقی رہیں گی جب تک ان کے سامنے اس کی صحیح صورت نہیں آئے گی، لیکن جونہی اس کا اصلی نقشہ ان کے سامنے آیا، وہ اس کو ایک لادینی جمہوری ریاست پر بہر حال ترجیح دیں گے اور اس کے زیر سایہ رہنا اپنی خوش قسمتی سمجھیں گے۔ بشرطیکہ آپ اسلامی حکومت

قائم کریں۔

علماء اور مشائخ سے گذارش | آخر میں مجھے علماء و مشائخ سے یہ عرض کرنا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں۔ انہوں نے جس پاکستان کے حصول کے لئے اللہ اور رسول کے نام پر اپیل کی تھی، وہ حاصل ہو چکا ہے اور اس کی دستور ساز اسمبلی نے اپنا کام بھی شروع کر دیا ہے۔ یہ دستور ساز اسمبلی آپ کی نمائندہ ہے اس وجہ سے آپ اس کے فیصلوں کے متعلق خدا کے آگے ذمہ دار ہوں گے۔ بظاہر اس دستور ساز اسمبلی کے لئے دو ہی امکانات ہیں، یا یہ ان وجوہ کی بناء پر جن کو میں شروع تقریر میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکا ہوں، دستور میں اس امر کا اقرار کریگی کہ پاکستان کی بادشاہی خدا کی ہے اور اس کے نظام اور قانون کی بنیاد خدا کی شریعت پر ہے، یا وقت کے حالات اور ارباب کار کے رجحانات سے دب کر ایک لادینی جمہوری ریاست کے قیام کا فیصلہ کریگی۔ یہ دونوں باتیں یکساں نہیں ہیں، بلکہ دونوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ اگر پہلی بات ہوئی تو نہ صرف دستور بدلے گا بلکہ اس ملک پر انظام بدلے گا، اور مذہب جو ہمارے موجودہ نظام زندگی کے بے شمار شعبوں میں سے محض ایک شعبہ اور نہایت حقیر شعبہ ہے، اس تبدیلی کے بعد اصلی مرکزی جگہ حاصل کرے گا، اور ہر چیز اس کے تابع ہو جائے گی۔ تعلیم میں مرکز نگاہ یہ ہوگا، تہذیب و تمدن میں معیار یہ قرار پائے گا، قانون اور قضا میں اصلی جگہ اس کو حاصل ہوگی، معاشی نظام اس کے سانچے میں ڈھلے گا، اور سیاسی نظام اس کی بنیاد پر قائم ہوگا، جس کا نتیجہ لازمی طور پر یہ ہوگا کہ موجودہ اقدار اور پیمانے یکسر بدل جائیں گے جن کے بدل جانے سے ہو سکتا ہے کہ موجودہ نظام میں جو بڑے ہیں وہ آئندہ نظام میں چھوٹے ہو جائیں گے اور جو موجودہ نظام میں چھوٹے ہیں وہ آئندہ نظام میں بڑے ہو جائیں۔ اسی طرح اگر دوسری شکل ہوئی تو اس کے نتائج بھی نہایت دور رس ہوں گے۔ جہاں تک مذہب کا تعلق ہے ایک لادینی جمہوری ریاست کی طرف سے اس کے ساتھ دو ہی طرح کے سلوک کی توقع کی جا سکتی ہے، یا تو وہ چشم پوشی اور اغماض کا سلوک کریگی یا عناد کی پالیسی اختیار کرے گی۔ تجربہ بتاتا ہے کہ یہ دونوں طرح کے سلوک لادینی حکومتیں دو مختلف طرح کے حالات کے اندر کرتی ہیں۔ جن ملکوں

کے اندر مذہبی احساس کمزور ہوتا ہے وہاں لادینی حکومتیں بالعموم چشم پوشی کی پالیسی اختیار کرتی ہیں اور پیش نظر یہ بات ہوتی ہے کہ نظام غالب کے تحت یہ خفیف مذہبی احساس خود اپنی موت مرجائیگا اس کو مارنے کے لئے ہتھیار اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن جہاں مذہبی شعور قومی اور مذہبی ادارے طاقتور ہوں اور لادینی حکومت محسوس کرتی ہو کہ اس کی جڑیں اس زمین میں اس وقت تک پوری طرح نہیں جم سکتی ہیں جب تک مذہبی جڑیں نہ اکھاڑ دی جائیں، وہاں وہ پوری طاقت کے ساتھ اس بات کی کوشش کرتی ہے کہ مذہب کا نام ونشان بھی باقی نہ چھوڑے۔ میرا اندازہ ہے کہ پاکستان کے حالات اسی طرح کے ہیں اس وجہ سے اگر اس ملک میں کسی لادینی ریاست کے قیام کا فیصلہ ہوا تو اس کی تعمیر مذہب کی تخریب کے بعد ہی ممکن ہو سکیگی اور لادینیت کے ائمہ مجبور ہوں گے کہ اس سرزمین کو تمام مذہبی آثار اور حرکات سے اس طرح صاف کردیں جس طرح کمال اتاترک اور اس کے ساتھیوں نے ترکی کو تمام مذہبی باقیات سے صاف کردیا تھا۔

<u>گروہی تعصبات کو خیرباد کہیئے</u> ان نتائج کی روشنی میں حضرات علماء اپنی ذمہ داریوں کو خود سمجھ سکتے ہیں۔ اگر فی الواقع ان کو مذہب عزیز ہے تو ان کو اپنے گروہی تعصبات کو خیرباد کہہ کر بیک آواز مذہبی حکومت کے قیام کا مطالبہ کرنا چاہیئے۔ آپ کو علم ہوگا کہ بعض بہانہ ساز لوگوں کی طرف سے علماء کے فقہی اختلافات اور گروہی تعصبات کو اسلامی نظام حکومت کے خلاف بطور ایک الزام کے پیش کیا جاتا ہے۔ اس الزام کو دور کرنا ہمارے علماء کا فرض ہے۔ ہر گروہ کے علماء کو یہ اعلان کردینا چاہئیے کہ اسلامی حکومت کسی متعین فقہ پر مبنی نہ ہوگی کہ مختلف گروہوں کے تعصبات کو اس کے خلاف دلیل کے طور پر استعمال کیا جائے۔ اسلامی حکومت کی بنا اللہ اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت اور اجتہاد اور شوری پر ہوگی۔ ان ہی اصولوں پر خلافت راشدہ کی بنیاد تھی اور اسی نظام کے اندر لوگ رائے کی حد تک اپنے اختلافات کو باقی رکھتے ہوئے بھی اولی الامر کے فیصلوں کی اطاعت کرتے تھے۔ یہی طریقہ ہماری اسٹیٹ کا بھی ہوگا۔ یہ طریقہ آزادی رائے کی بھی بہتر سے بہتر طریق پر حفاظت کرتا ہے۔ اور اسٹیٹ کی آئینی اور انتظامی دقتوں کو بھی رفع کردیتا ہے۔

صوفیا و مشائخ کے کارنامے میں حضرات مشائخ و صوفیا کو بھی ان کی تاریخ یاد دلانا چاہتا ہوں۔
میرا خیال ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد جب اسلامی حکومت نے اپنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خصوصیت کھودی اور آہستہ آہستہ اسلامی نظام میں انتشار پیدا ہو گیا اور اس بات کا ڈر ہوا کہ اصلاح و دعوت کا کوئی نظام باقی نہ رہنے کی وجہ سے مسلمان دینی بے حسی اور گمراہی میں مبتلا ہو جائیں گے تو ہمارے بہت سے بزرگوں نے مسلمانوں کو اس بے دینی کے فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی استطاعت کے مطابق دعوت وارشاد کے الگ الگ حلقے بنا لئے اور اس طرح لوگوں کو اپنے اپنے حلقہ سے وابستہ کر کے حتی المقدور ان کو بے دینی اور گمراہی سے بچانے کی کوشش کی۔ ان بزرگوں کی ان کوششوں سے ایک طرف تو غیر مسلموں میں اسلام کی دعوت پہنچی اور دوسری طرف مسلمانوں میں بھی دینی روایات زندہ رہیں لیکن بعد میں ان حلقوں نے گدیوں کی صورت اختیار کر لی اور پھر آہستہ آہستہ ان گدیوں کے ساتھ ایک طرف تو لوگوں کے ذاتی مفاد وابستہ ہو گئے اور دوسری طرف ان کی تمام ہماہمی خدمت دین کے بجائے رسوم وبدعات پر منحصر رہ گئی۔ اپنی اس تاریخ پر اگر ہمارے یہ مشائخ غور کریں اور شخصی وقار اور ذاتی مفاد کے پہلوؤں کو نظر انداز کر کے غور کریں تو وہ محسوس کریں گے کہ ان کے بزرگ اسلاف نے جس مقصد حق کی خاطر اپنے یہ الگ الگ زاویے بنائے تھے اب اس مقصد کے لئے اس نظام شرعی کے قیام کا موقع اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیا ہے جو اس مقصد کے انجام دینے کا اصلی ذریعہ ہے۔ اس موقع کے پیدا ہو جانے کے بعد اب دعوت وارشاد اور بیعت وارادت کی تمام انفرادی کوششوں کو ایک مرکز میں مرتکز کرنے کی سعی کرنی چاہیے اور اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ دعوت وارشاد کے جس مرکزی منارۂ نور کے گر جانے کے سبب سے ہمارے بزرگوں کو یہ الگ الگ چراغ جلانے پڑے تھے، اب اس منارہ کو از سر نو تعمیر کرنے کی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں اور اس کو تعمیر کر دینے کے بعد ایک ہی مرکز سے تمام دنیا کو روشنی پہنچائی جا سکیگی، اب اس بات کی ضرورت نہیں رہی کہ چھوٹے چھوٹے دیے جلا کر باد حوادث سے محفوظ رکھنے کے لئے ان کو دامنوں کے نیچے چھپا کر رکھا جائے جیسا کہ ہمارے بزرگوں کو کرنا پڑا تھا، بلکہ اب اگر ہم وقت سے فائدہ اٹھائیں تو ایک ایسا پاور ہاؤس تعمیر کر سکتے ہیں جو حوادث

کے ظلمی ازغم اور طوفان کے برخلاف دنیا کو اپنی روشنی سے منور رکھ سکتا ہے۔

فیصلہ کن وقت ہے | مجھے امید ہے کہ ہمارے علماء اور مشائخ سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہوگی کہ اسلامی تحریک اب اس ملک میں ایک فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہو گئی ہے۔ اب اس ملک میں یا تو خالص اسلام رہے گا یا خالص کفر، کفر اور اسلام کی وہ ملی جلی حالت اب یہاں باقی نہیں رہے گی جو اب تک رہی ہے۔ اب ان میں سے جو بھی آئے گا، پوری شوکت اور ہیبت و دبدبہ کے ساتھ آئے گا اور وہی حکمران بن کے رہے گا۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ آنے والا اسلام ہو اور وہی اس سرزمین پر حکمران بن کے رہے اور اس کوشش میں اگر ضرورت پڑے تو ہمیں سب کچھ قربان کر دینا چاہیے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مطبوعات جماعت اسلامی

الجہاد فی الاسلام	۸/-/۰	پردہ	۲/۸/۰
رسالہ دینیات	۱/۸/-	اسلام اور ضبطِ ولادت	۱/-/-
حقوق الزوجین	۱/۸/-	دستور جماعت اسلامی	۰/۳/-
مسئلہ قومیت	۱/۸/-	روداد جماعت اسلامی حصہ اول	۱/۶/-
مسئلہ جبر و قدر	۱/-/-	〃 حصہ دوم	۱/۱۲/-
سود	۲/۸/۰	〃 حصہ سوم	۲/-/-
تجدید و احیائے دین	۱/-/۰	〃 حصہ پنجم	۲/-/-
اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر	۱/-/۰	〃 حصۂ خواتین	-/۱۲/-
قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں	۱/۴/-	دعوت اسلامی اور اس کے مطالبات	۲/۸/-
سیاسی کشمکش حصہ اول	۱/۴/۰	اشتراکیت اور اسلامی نظام	زیر طبع
〃 حصہ دوم	۲/۸/۰	اسلامی قانون	۱/-/-
〃 حصہ سوم	۲/۸/۰	سلامتی کا راستہ	-/۶/۰
خطبات (نیا ایڈیشن)	۱/-/-	اسلام کا نظریہ سیاسی	-/۴/-
تنقیحات	۲/۸/-	اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے	-/۸/-
تفہیمات	۳/۸/۰	انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل	-/۸/-
حقیقت شرک (نیا ایڈیشن)	۳/-/-	اسلام اور جاہلیت	-/۴/-
حقیقت توحید	۱/۲/-	اسلام کا اخلاقی نقطہ نظر	-/۶/۰
حقیقت تقویٰ	۱/۱۲/-	دین حق	-/۶/-

مطبوعات جماعت اسلامی

نیا نظام تعلیم	-/۶/-
مذہب کا انقلابی تصور	-/۶/-
جہاد فی سبیل اللہ	-/۶/-
شہادت حق	-/۶/-
تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں	-/۶/-
ایک اہم استفتاء	-/۲/-
اسلام کا نظام حیات	-/۱۰/-
نشان راہ	-/۶/-
ہندوستان میں تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل	-/۸/-
اسلامی معاشیات کے اصول	-/۶/-

انگریزی کتب

رسالہ دینیات (انگریزی)	-/۸/-
اسلام کا نظریۂ سیاسی	-/۱۲/-
اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے	-/۱۲/-
اسلام کا اخلاقی نقطۂ نظر	-/۱۲/-
انسان کا معاشی مسئلہ	-/۱۲/-
نیشنلزم اینڈ انڈیا	-/۱۲/-
الحاد کے بعد کیا؟	-/۱۲/-
اسلام کیا ہے؟	۱/۴/-

عربی کتب

اسلام کا نظریہ سیاسی	۱/-/-
اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے	۱/-/-
دین حق	۱/-/-
انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل	زیر طبع

ملنے کا پتہ:

مکتبہ جماعت اسلامی، ۵-اے، ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

رسائل و مسائل

زکوٰۃ کے چند مسائل

ذیل میں زکوٰۃ کے متعلق چند سوالات کے جو جوابات دیئے گئے ہیں، وہ حرفِ آخر کی حیثیت بہرحال نہیں رکھتے - میں نے اپنے علم و تحقیق کے مطابق کتاب و سنت کی رہنمائی کے تحت جس چیز کو اقرب الی الصواب پایا، اسے پیش کر دیا - دراصل زکوٰۃ کے نظام اور اس کے فقہی مسائل پر دورِ حاضر کے معاشی احوال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حضرات علما کو از سرِ نو گہری تحقیق اس نقطۂ نظر سے کرنی چاہیئے کہ اب نظامِ زکوٰۃ کو عملاً پاکستان کی "اسلامی ریاست" میں قائم کرنے کا وقت سر پہ آپہنچا ہے - ضرورت ہے کہ اصحابِ فکر و نظر اس موضوع پر قلم اٹھائیں اور تشنگانِ علومِ دینیہ کو مستفید ہونیکا موقعہ دیں۔

(عبدالغفار حسن)

سوال :- آج سے ایک سال قبل ایک شخص نے بزنس پر ایک ہزار روپیہ سرمایہ لگایا، اور پھر دورانِ سال میں مزید سرمایے کا اضافہ بھی کرتا رہا ہے - علاوہ بریں سرمایہ کے ساتھ منافعہ بھی شامل ہوتا رہا ہے - گویا اب ختم سال پر مجموعی سرمایے میں ایک سال سے کم کی رقمیں بھی شامل ہیں جن کی مقدار کا صحیح تعین نہیں کیا جا سکتا - اب زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے ؟ واضح اصول مطلوب ہے۔

جواب :- دورانِ سال میں کاروباری سرمائے میں شامل ہونے والی رقموں کے بارے میں ائمہ سلف کے مسلک میں جو اجتہادی اختلاف پایا جاتا ہے مختصر دلائل کے ساتھ اس کی تفصیل درج ذیل ہے :-

(۱) منافعہ کی صورت میں حاصل کی ہوئی رقم اصل مالِ تجارت کے تابع ہوگی، یعنی جب اصل مالِ تجارت پر سال پورا ہوگا اسی وقت منافعہ کی رقوم کی بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، خواہ ان پر سال گذرا ہو یا نہ گذرا ہو۔

لیکن دوسرے ذرائع مثلاً ہبہ، میراث وغیرہ سے حاصل شدہ مال یا رقم کی زکوٰۃ اُسی وقت لازم ہوگی جب کہ اس پر ایک سال گذر جائے - حدیث میں ہے مَنْ استفاد مالاً فلا زکوٰۃ علیہ حتی یحول علیہ الحول، (رواہ الترمذی)

ترجمہ ۔ کسی جو مال حاصل کیا ہو اس پر ایک سال پورا ہو جانے سے پہلے زکوٰۃ واجب نہ ہو گی۔

معمولی سے جزوی اختلاف کے ساتھ یہی مسلک شوافع، حنابلہ اور مالکیہ نے اختیار کیا ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ صفحہ ۶۱۰)

(۲) دورانِ سال میں اضافہ شدہ رقم خواہ منافع کی صورت میں ہو یا دوسرے ذرائع سے حاصل ہوئی ہو، ہر ایک کی زکوٰۃ اصل مال تجارت کے تابع ہو گی۔

حدیث میں ہے۔ ان فی السنۃ شہراً تؤدون فیہ زکوٰۃ اموالکم فما حدث بعد ذالک فلا زکوٰۃ فیہ حتی یجیئ راس الشہر (اوجز المسالک شرح موطا ج ۲ ص ۱۵۳ بحوالہ ترمذی)

ترجمہ ۔ سال میں ایک ایسا مہینہ ہے جس میں تم اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرتے ہو پھر اس کے بعد جو مال حاصل ہو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے تا وقتیکہ وہی مہینہ شروع نہ ہو جائے۔ یہ مسلک حنفیہ نے اختیار کیا ہے۔ بہرحال منافع کے بارے میں ائمہ اربعہ کا مسلک ایک ہی ہے۔

(۳) منافع کی زکوٰۃ سال گذرنے پر واجب ہو گی، اس سے قبل نہیں۔ دلیل میں حدیث نمبر ا پیش کی جاتی ہے، یہ مسلک حضرت عمر بن عبدالعزیز اور امام لیث نے اختیار کیا ہے۔ کتاب الاموال ابو عبید اس بارے میں راجح مسلک وہ معلوم ہوتا ہے جسے علامہ ابو عبید نے حضرت حسن بصری اور امام ابراہیم نخعی کے مسلک کی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔

حسنؒ اور ابراہیمؒ کا یہ قول (کہ منافع اور دوسرے ذرائع سے حاصل شدہ مال کی زکوٰۃ اصل مال کی زکوٰۃ کے ساتھ ادا کرنی لازمی ہو گی) تمام حالات کیلئے نہیں ہے بلکہ یہ فتویٰ اُس صورت حال کیلئے ہے جبکہ مال تجارت ملا جلا اور مخلوط ہو یعنی یہ نہ معلوم ہو سکے کہ کس وقت کتنا اضافہ ہوا ہے۔

مثلاً ایک تاجر تجارت میں مال لگاتا ہے، کچھ عرصہ بعد منافع یا کسی دوسرے ذریعے سے مزید پیسہ تجارت میں شامل کر لیتا ہے۔ اب سال گذرنے کے بعد وہ اس بات کا یقینی طور پر تعین نہیں کر سکتا کہ مال مستفاد (دوران سال میں اضافہ شدہ مال یا رقم) کی مقدار کیا ہے اور اسے کاروبار میں شامل کرنے کی تاریخ کونسی تھی، تو ایسی صورت میں پورے مال کی زکوٰۃ ایک ساتھ ہی ادا کرنی ہو گی۔ اس کے علاوہ کوئی صورت ہی نہیں جس کی بنا پر اصل مال کی پوری زکوٰۃ یقینی طور پر ادا ہو سکے، اس لئے احتیاطاً پورے مال کی زکوٰۃ ادا کرنی چاہیئے۔

لیکن جب تاجر کو یہ علم ہے کہ فلاں فلاں متعین رقم فلاں تاریخ کو حاصل ہوئی ہے اور اس کا حساب الگ محفوظ ہے تو سال گذرنے سے پہلے اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہو گی، جیسا کہ حدیث حتیٰ یحول علیہ الحول کا تقاضا ہے (اور عقلی طور پر بھی یہ بات ظاہر ہے کہ) ایک حق جو کسی مال پر عائد ہوا ہے وہ بلا وجہ دوسرے مال کی طرف کیسے منتقل ہو سکتا ہے۔ اس باب میں اصل حکم یہی ہے کہ ہر مال سے وہی حق لیا جائے جو شرعاً، اس پر عائد ہو رہا ہے۔"

(الاموال ص۴۱۶)

اس مسلک کے رو سے حدیث ۱ اور حدیث ۲ میں تطبیق (موافقت) بھی ہو جاتی ہے۔ یعنی اگر مال مستفاد کی مقدار اور اس کے حصول کا وقت متعین ہو تو حدیث ۱ پر عمل کیا جائیگا اور اگر تعین نہ ہو حدیث ۲ (حتیٰ یجیئ ساعی الشھر) پر عمل ہو گا۔

اوپر کی بحث اُس صورتِ حالات سے متعلق ہے جب کہ مالِ مُستفاد اور اصل مال تجارت دونوں کی جنس ایک ہی ہو۔ لیکن اگر جنسیں مختلف ہوں، مثلاً تجارت تو بکریوں کی ہو رہی ہے، مگر دورانِ سال میں میراث یا ھبہ وغیرہ کے ذریعہ گھوڑے، اونٹ حاصل ہو گئے تو اس صورت میں ان کی مستقل حیثیت ہو گی، اور اُن کی زکوٰۃ کا حساب از سرِ نو شروع ہو گا۔ خلفاء راشدین اور جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۲ ص ۴۹۶)

سوال ۲ ایک شخص نے ایک فرم میں کئی سال سے ایک ہزار روپیہ لگا رکھا ہے مگر اُس رقم کے خرچ اور منافع کی تفصیلات اُسے معلوم نہیں اور یہ بھی اُس کے علم میں ہے کہ فرم زکوٰۃ ادا نہیں کرتی۔ اس صورت میں کیا کیا جائے؟ جبکہ فرم نے آج تک حساب و کتاب کی تفصیلات بھی شائع نہیں کیں؟ ..... اور آیا زکوٰۃ اصل رقم پر ہی ادا کی جا سکتی ہے؟

جواب ۲ زکوٰۃ اصل رقم پر ادا کی جائے۔ لیکن ساتھ ہی حساب کتاب اور منافع کی تفصیلات جاننے کی بھی کوشش کی جائے۔ منافع کی رقموں کے وصول ہونے پر تمام گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا لازمی ہو گی۔

سوال ۳ آج سے ایک سال قبل ایک شخص نے دس ہزار روپے کا مال خریدا جس کا کچھ حصہ فروخت ہو چکا ہے اور باقی مال اسی شکل میں موجود ہے۔ اب اس پر زکوٰۃ کیسے ادا کی جائے، جب کہ موجودہ مال کی صحیح قیمت بھی نہیں لگائی جا سکتی۔ کیونکہ قیمتوں میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔

جواب ۳ زکوٰۃ نکالتے وقت بقیہ مال کی قیمت خرید جو بھی بازار میں ہو اس کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنا ہو گی۔

سوال ۳: ایک شخص نے ایک سال قبل ایک لاکھ کے سرمایہ سے ایک برف خانہ لگوایا آج ایک سال کے بعد اس میں سے دس ہزار روپیہ کا منافع آیا، اب زکوٰۃ منافع پر ادا کی جائے یا کارخانہ کی مشینری، شاک (اسٹاک) و میٹریل وغیرہ پر بھی؟

جواب ۳: حدیث میں ہے، لیس فی الابل العوامل والبقر العوامل صدقۃ (الاموال ابو عبید ص ۳۷۷)

یہ روایت مرفوع اور موقوف دونوں طریقوں سے معمولی فرق کے ساتھ ابوداؤد، دارقطنی، مصنف ابن ابی شیبہ اور مسند عبدالرزاق میں موجود ہے، یعنی وہ اونٹ یا بیل جو رہٹ یا ہل میں جوتے جاتے ہیں یا بار برداری کے کام آتے ہیں ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ سوائے امام مالک کے یہی مسلک ائمہ ثلاثہ تابعین اور اجلہ صحابہ کا ہے۔ امام مالک کے پیش نظر وہ روایات ہیں جن میں جانوروں کی زکوٰۃ لینے کا عام حکم ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اوجز المسالک ج ۳ ص ۲۰۰ اور المغنی ج ۲ ص ۴۹۹

اس روایت سے یہی مستنبط ہوتا ہے کہ آمدنی اور پیداوار کے آلات و وسائل (مشینری وغیرہ) پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ واللہ اعلم

مَطبُوعات

OUR LEADERS

از جناب چودھری محمد اکبر صاحب بی، اے، بی ٹی۔
شائع کردہ: مکتبہ چراغ راہ ۹ لوٹیا بلڈنگ، رام باغ روڈ۔ کراچی۔
قیمت مجلد: چار روپے۔

یہ کتاب پاکستان کی اس پیچ در پیچ سیاسی صورتِ حالات کی وضاحت کرتی ہے جو مغربی اور اسلامی رجحانات کی شدید ذہنی کشمکش کے تحت نمودار ہوئی ہے علاوہ بریں اس میں اُن نازک ذمہ داریوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو قراردادِ مقاصد کے پاس ہو جانے کے بعد ملتِ پاکستان پر، اور خصوصیت سے اس کے لیڈروں کے سر آ پڑی ہیں۔ اس خاص موضوع پر چونکہ پہلی باقاعدہ اور جامع کوشش یہی ہے، اس وجہ سے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ پاکستان کی داخلی سیاست کا پورا پورا شعور حاصل کرنے کے لئے ہمارے انگریزی خواں نوجوانوں کو لازماً اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

حقیقت میں اس کتاب کا مرکزی مقصد قوم کے لیڈروں کے وعدوں اور ان کے طرزِ عمل کے تضاد کا تجزیہ کر کے اصلاح احوال کی دعوت دینا ہے، لیکن ضمناً جناب مولف نے اسلامی نظام کی حقیقت و ماہیت کو مغربی جمہوریت اور اشتراکیت کے مقابلے میں رکھ کر جس طرح ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے اور "اسلامی سوشلزم" اور "اسلامی جمہوریت" کی اصطلاحات کے صحیح مفہوم کو جس طرح نکھارا اور نتھارا ہے اُس نے کتاب کے مقاصد کو بہت وسعت دے دی اور اس کی قدر و قیمت میں نمایاں اضافہ کر دیا ہے۔ پھر اسلامی نظامِ زندگی کو برپا کرنے کی جدوجہد کے خلاف جتنے معقول اور غیر معقول دلائل پیش کئے جاتے ہیں، ان کے اطمینان بخش جوابات بھی بڑی صفائی سے دیئے گئے ہیں۔ کتاب کا ایک ضمیمہ قراردادِ مقاصد کے تعارف پر مشتمل ہے اور دوسرا ضمیمہ اسلامی نظام کے اُن دستوری خاکوں کو پیش کرتا ہے جو مولانا محمد اسد سابق ڈائرکٹر محکمۂ تعمیر اسلامیات اور مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی امیر جماعت اسلامی کے تحقیقی مطالعہ اور اجتہادی تدبّر کے مظہر ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ "وارننگ اینڈ اپیل" کے آخری باب میں پاکستان کی قیادت پر اتمامِ حجت کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے، چنانچہ مؤلف نے ایک مسلم کے نقطۂ نظر سے تاریخ انسانی کو سامنے رکھ کر یہ قانونِ فطرت اربابِ قیادت کے سامنے رکھ دیا ہے کہ:

"ہر قیادت کے بُرے اور بھلے کارنامے ایک حسّاس میزان پر تُلتے رہتے ہیں، اور جونہی کسی قیادت کی تخریبی کارروائیاں اس کی تعمیری خدمات سے زیادہ بوجھل ہوجاتی ہیں، اُسے برطرف کردیا جاتا ہے۔ مشیّتِ الٰہی صرف اس قیادت کو برداشت کرتی ہے جو کم سے کم ناگزیر اخلاق کے میعار پر پوری اترتی ہو، پھر جب وہ اِس میعار سے نیچے گرنے لگتی ہے تو مشیّت اس کو انتباہ کرتی ہے، اور پھر اگر اس کا اخلاقی انحطاط حد سے بڑھ جاتا ہے تو اسے نیست و نابود کردیتی ہے۔"

لیکن اب حالات اُس مرحلے سے آگے نکل چکے ہیں، جب کہ قیادت کی اصلاح کے لئے وارننگ اور اپیل کے کارگر ہونے کی تھوڑی بہت امید کی جاسکتی تھی۔ قراردادِ مقاصد کے مصنفین کی زبانوں سے جو خوشنما الفاظ ۱۲۔ مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان پارلیمنٹ کی چھت کے نیچے نشر ہورہے تھے، اُن کے مطابق عوام کو قیادت کی روش میں جن فوری تبدیلیوں کے رونما ہونے کا امکان محسوس ہوا تھا، اُس پر ہمارے اکابر کے بالکل اُلٹے طرزِ عمل نے پوری طرح پانی پھیر دیا ہے۔ اب پاکستان کے تمام ذہین عناصر اس پر متفق ہیں کہ قراردادِ مقاصد کے مقدّس الفاظ میں اگر معنی پیدا کئے جاسکتے ہیں تو صرف اس طرح کہ موجودہ قیادت کو برطرف کرکے نئی صالح قیادت کو بروئے کار لایا جائے۔ ورنہ موجودہ قیادت کے بحال رہنے یا آئندہ انتخابات میں دوبارہ برسرِ عمل آجانے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوگا کہ ۱۲۔ مارچ کو ملّت پاکستان نے اقوامِ عالم کے روبرو جس جہانی انقلاب کی علمبرداری کا بیڑا اٹھایا تھا، اسے بپا کرنے کی نااہلیت کا ثبوت دے کر وہ اپنا اٹھایا ہوا قدم واپس لے لے۔

پس کتاب کا خاتمہ انقلابِ قیادت کی دعوت اور اُس سے تعلق رکھنے والے مسائل و مباحث پر ہونا چاہیئے تھا، لیکن کتاب اپنے اصل مقام سے پیچھے رہ گئی ہے۔ تاہم اِس کوتاہی کے باوجود دوسرے پہلوؤں سے ہم اس کی افادیت کا اعتراف کرتے ہیں۔

چودھری صاحب نے چونکہ اپنی زندگی تعلیم کے مشغلے میں گذاری ہے، اس وجہ سے افہام و تفہیم اور

تشریح وتجزیہ آپ کا مخصوص فن ہے جس کے اثرات پوری کتاب میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ میں لوئیس فشر کے طرزِ تحریر کا بھی خفیف سا تاثر پایا جاتا ہے۔ (ن۔ ص)

بقیہ اشارات

جذبے ہیں ہندو عوام اور ہندو قوم کی عداوت میں مسلمان عوام اپنے لیڈروں کے بارے میں بالکل اسی طرز پر سوچتے رہے ہیں۔ مسلمان اپنے لیڈروں کی اخلاق فرمائیگی کی دل ہی دل میں داد دیتے رہے ہیں کہ حریف قوم کے خلاف ایسی ہی اخلاقی فرمائیگی کو استعمال کرنا چاہیئے، اور دوسری طرف ہندو قوم اپنے لیڈروں کی سیرت کی پستی کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتی رہی ہے کہ ہاں مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے ایسی ہی پستی کردار کام دے سکتی ہے۔ دونوں میں سے کسی کو بروقت یہ احساس نہ ہوسکا کہ آج اُن کے لیڈر جس اخلاق کو اُن کی حریف طاقت کے خلاف استعمال کر رہے ہیں، کل وہ ان کی شخصیتوں سے الگ نہ ہوسکے گا اور یہی اخلاق ہوگا جسے وہ خود اپنی قوم سے معاملہ کرتے ہوئے اُسی بے باکی سے کام میں لائیں گے جس بے باکی سے آج غیروں کے خلاف اس کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

لیکن تقسیم کے بعد بہت ہی جلد وہ وقت آگیا جب کہ انڈیا اور پاکستان دونوں طرف کے عوام کی آنکھیں کھلنے لگیں اور انہیں معلوم ہونے لگا کہ ہم نے لیڈروں کے انتخاب میں بڑی سخت غلطیاں کی ہیں۔

تقسیم کے بعد جب دورِ غلامی کے بے اختیار" لیڈروں نے یکایک اپنے آپ کو پورا پورا "حکمران" محسوس کیا۔ یعنی اوپر سے انگریز کی لاٹھی کو غائب پایا اور اپنے سے نیچے کی خلقِ خدا کو چند ناگہانی مصائب کی لپیٹ میں تڑپتے دیکھا اور یہ سمجھ لیا کہ ابھی رائے عامہ گرفت کرنے کے قابل نہیں تو انہوں نے سطحی اور نمائشی اخلاق کے سارے بند بھی توڑ ڈالے۔ ان "اشرافِ زمانہ" نے اپنے اپنے ملک کے تارکینِ وطن کے اموالِ متروکہ کی لوٹ میں کھلے بندوں حصہ لیا، پھر انہوں نے خانہ برباد ہوکے آنے والے قومی اور مذہبی بھائیوں کی جیبوں سے ایک ایک قدم پر رشوتیں نچوڑیں، پھر انہوں نے اپنے لئے، اپنے عزیزوں اور دوستوں کے لئے مکانوں دکانوں اور کارخانوں کو ناجائز طور پر الاٹ کرنے اور کرانے میں

ہر طرح کی ذلیل کارروائیاں کیں۔ صد حیف کہ خیانت کے حمام میں بڑی بے تکلفی سے سب کے سب ننگے ہو گئے تقسیم کے بعد کا ایک طوفانی سال اربابِ قیادت کا تعارف خوب اچھی طرح کر کے رخصت ہوا۔ اب عوام سوچنے لگے کہ کیا ایسے ہیں ہمارے لیڈر ؟ ـــ انہی کے لئے ہم نے کئی سال زندہ باد کے نعرے لگائے ہیں، انہیں کے لئے ہزار مرتبہ جلوس نکالے اور سپاسنامے پڑھے ہیں۔ انہیں کو اپنی کمائیوں میں سے چندے جمع کر کے دیئے ہیں اور انہی کو اقتدار دلوانے کے لئے اپنے ووٹ نذر کئے ہیں ؟ ـ کیا یہ اس قابل تھے ؟ ـــ اب دونوں مملکتوں میں اکابر کے خلاف نفرت اور بد دلی کے جذبات آہستہ آہستہ کروٹیں لینے لگے ـ کہیں کہیں زیرِ لب سے ان جذبات کا اظہار ہونے لگا اور آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ بعض مقبول ترین شخصیتوں کا نام سنتے ہی معمولی گنوار تک انتہائی بیزاری کا کھلے کھلے الفاظ میں اظہار کرتے نظر آتے ہیں ؛

پاکستان کی تعمیر کیلئے

جدوجہد کا نیا مرحلہ

اسلامی اصولوں پر ـــ

★ نئے انتخابات ★

اسلامی نظام چلانے کیلئے ـــ

★ نئی صالح قیادت ★

اسلامی دستور بنانے کیلئے ـــ

★ نئی دستور ساز اسمبلی ★

اسلامی ماحول کی تعمیر کیلئے ـــ

★ نیا نظمِ حکومت ★

اور یہ سب کچھ صرف

اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے